www.kashmirulyoum.com.pk

ABC CERTIFIED

Reg.No.885,Mails.B/NPR-234

ماہنامہ

کشمیر الیوم

(رجسٹرڈ)

کشمیری عوام کی امنگوں کا ترجمان

راولپنڈی

امام سید علی شاہ گیلانیؒ
شہید برہان مظفر وانیؒ

جلد نمبر 23 شمارہ نمبر 11 جون 2026 ذوالحجہ/محرم ۱۴۴۸_۱۴۴۷

مت سمجھو ہم نے بھلا دیا!!!

جواب حاضر ہے

مفتی خالد عمران خالد!!!

الوداع ساتھیو! اب جنت میں ملاقات ہوگی

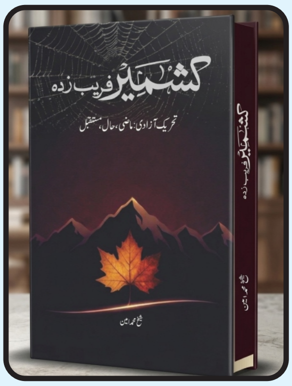

کتاب

کشمیر فریب زدہ

میری نظر میں

”کشمیر فریب زدہ۔۔ماضی، حال اور مستقبل“ کے مصنف شیخ محمد امین گزشتہ کئی دہائیوں سے تحریک آزادیٔ کشمیر کے نشیب و فراز کو نہ صرف قریب سے دیکھتے آرہے ہیں بلکہ اس جدوجہد کے اثرات اور نتائج کو خود بھی بھگت رہے ہیں۔انہوں نے بہت سے واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور ساتھ ہی کشمیر کی تاریخ، سیاست اور تحریکِ آزادی کے مختلف پہلوؤں کا گہرا اور وسیع مطالعہ بھی کیا ہے۔یہ کتاب ایک تحقیقی اور حوالہ جاتی کاوش ہے جس میں مصنف نے ہر اہم نکتے کو دلائل اور مستند حوالوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔کتاب مختصر، جامع اور عام فہم انداز میں لکھی گئی ہے جس کی وجہ سے قاری کو مسئلہ کشمیر کی پیچیدگیوں کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔اگرچہ علمی اور تحقیقی مباحث میں اختلافِ رائے کی گنجائش ہمیشہ موجود رہتی ہے، تاہم اس کتاب میں پیش کیے گئے حقائق اور دلائل اختلاف کے امکانات کو خاصا محدود کردیتے ہیں۔میرے نزدیک یہ مسئلہ کشمیر پر ایک اہم، معلوماتی اور تحقیقی کتاب ہے جس کا مطالعہ تحریکِ آزادی کشمیر سے وابستہ کارکنوں، رہنماؤں، دانشوروں، صحافیوں، محققین اور پالیسی سازوں کے لیے نہایت مفید ثابت ہوسکتا ہے۔میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ انہیں ضرور اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے میں شیخ محمد امین کو اس قابل قدر علمی کاوش پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔انہوں نے سادہ، مؤثر اور مدلل انداز میں کشمیر کی داستان بیان کی ہے اور ایک ایسا علمی سرمایہ پیش کیا ہے جو سنجیدہ قارئین کے لیے یقیناً باعث استفادہ ہوگا۔

(سید صلاح الدین احمد)

www.kashmirulyoum.com.pk

کشمیری عوام کی امنگوں کا ترجمان

راولپنڈی

ماہنامہ

کشمیرالیوم

(رجسٹرڈ)

جلد نمبر 23 شمارہ نمبر 11 جون 2026 ذوالحجہ/محرم ۱۴۴۸_۱۴۴۷

مجلس مشاورت

حامد میر

سید عارف بہار | راجہ ذاکر خان

سرور منیر راؤ | رُباب عائشہ | عاصم قدیر رانا

اس شمارے میں

اداریہ	حمزہ برہانؒ کا قتل اور ریاستی ردعمل!!!	چیف ایڈیٹر کے قلم سے	03
ایک عہد جو تمام ہوا	شہباز بڈگامی	شخصیات	04
ٹارگٹ کلنگ یا کانفلیکٹ مینیجمنٹ؟	سید عارف بہار	گرداب	07
ایک ملاقات۔۔۔اور پھر جنازہ	شیخ محمد امین	حرفِ حُر	09
وادی کے چشموں سے مظفرآباد کے کالج تک	فیصل بن محمد	تذکرہ شہید	10
منظوم خراج عقیدت	مبارک شاہ	نظم	11
ناامیدی کفر ہے	شہزاد منیر احمد	نقش وخیال	12
بابری مسجد سے کمال مولہ تک	سید عمر اویس گردیزی	گردوپیش	13
بھارت۔۔۔سندور جاری ہے؟	محمد احسن مہر	فکرونظر	16
وہ باوفا بھی چلا گیا	فاروق قیصر	تذکرہ شہداء	18
شہید کمانڈر عبداللہ بنگروؒ	عبدالرشید ڈار	تذکرہ شہید	20
جرأت واستقامت کا پیکر	اویس بلال	تذکرہ شہید	22
دو دوست دو شہید	شاہین حماد	تذکرہ شہداء	23
شہید منصور الحقؒ	صائم فاروقی	تذکرہ شہید	25
ناکامی کامیابی کی پہلی سیڑھی	بریرہ بنت نہال	تعلیم وتربیت	26
صدائے عام	بدر عبداللہ	نیلم کنارے	27
سوال وجواب	جواب حاضر ہے	مفتی خالد عمران خالد	28
شب وروز	معرکے	ہمایوں قیصر	30

مدیرِ اعلیٰ : شیخ محمد امین

مدیر : فاروق احمد

نمائندگان

شمالی پنجاب : ارشد ایوب

آزاد جموں وکشمیر : غازی محمد اعظم

گلگت بلتستان : عبدالہادی بونجوی

سرینگر : سید مزمل حسین سہروردی

جموں : وجے کمار رینا

لداخ : جعفر حسین علوی

لندن : انوارالحق

نیویارک : فائزہ نذیر

ڈیزائننگ : شیخ ابو حماد

کمپوزنگ / مینجر فائنانس / سرکولیشن : شبیر یوسف

معاون سرکولیشن : طارق احمد

انچارج شعبہ اشتہارات : راجہ محمد شفیق

ویب انچارج : ڈاکٹر بلال احمد

ماہنامہ کشمیرالیوم میں شائع ہر کالم، کالم نگار کی ذاتی آراء پر مبنی ہوتا ہے، جس سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں (چیف ایڈیٹر)

پبلشر : خواجہ محمد شہباز

مقامِ اشاعت: D-1005، سیٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی

مطبع: والضحیٰ پرنٹرز، قیصر پلازہ، صدر، راولپنڈی

Regd. No. 885

Mails. B/NPR-234

قیمت 50 روپے، سالانہ زرتعاون 500 روپے

خط وکتابت اور رابطہ کیلئے: دفتر ماہنامہ ''کشمیرالیوم'' NA/300-A نیو ملپور ڈبل روڈ راولپنڈی kashmirulyoum2019@gmail.com. 0318-5355344

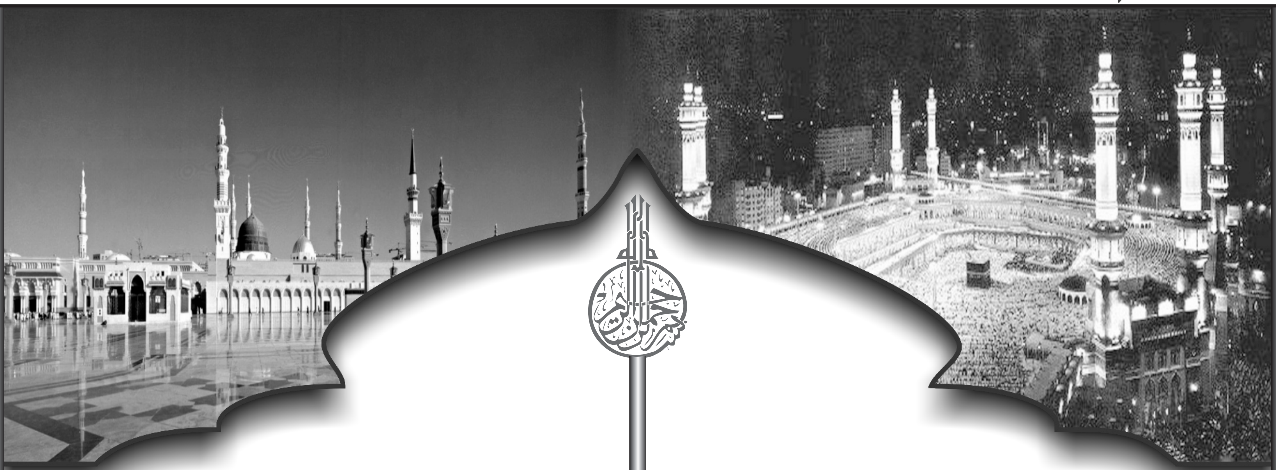

القرآن

شجرہ طیبہ اور شجرہ خبیثہ۔۔۔قرآن کی روشی میں !!!

بخلاف اس کے جو لوگ دُنیا میں ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ اپنے ربّ کے اِذن سے ہمیشہ رہیں گے، اور وہاں اُن کا استقبال سلامتی کی مبارکباد سے ہوگا۔کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اِس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمّی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں ہر آن وہ اپنے ربّ کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اِس لیے دیتا ہے کہ لوگ اِن سے سبق لیں۔اور کلمہ خبیثہ کی مثال ایک بد ذات درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اُکھاڑ پھینکا جاتا ہے، اُس کے لیے کوئی استحکام نہیں ہے۔ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قولِ ثابت کی بنیاد پر دُنیا اور آخرت دونوں میں ثبات عطا کرتا ہے، اور ظالموں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے۔اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔تم نے دیکھا اُن لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی نعمت پائی اور اُسے کفرانِ نعمت سے بدل ڈالا اور (اپنے ساتھ) اپنی قوم کو بھی ہلاکت کے گھر میں جھونک دیا۔یعنی جہنم، جس میں وہ جھلسے جائیں گے اور وہ بدترین جائے قرار ہے۔اور اللہ کے کچھ ہمسر تجویز کر لیے تا کہ وہ انہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں۔اِن سے کہو، اچھا مزے کر لو، آخر کار تمہیں پلٹ کر جانا دوزخ ہی میں ہے۔اَے نبیؐ، میرے جو بندے ایمان لائے ہیں اُن سے کہہ دو کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے، اُس میں سے کھُلے اور چھُپے (راہِ خیر میں) خرچ کریں قبل اِس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوست نوازی ہو سکے گی۔

سورۃ ابراہیم آیت نمبر 23 تا 31 تفہیم القرآن سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

الحدیث

دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے کا اجر!!!!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے کسی مومن سے دنیا کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی اللہ اس کے آخرت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا، اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی تو اللہ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا، اللہ بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہے“۔

(سنن ترمذی)

جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے میں بھی ثواب!!!!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص راستہ میں چل رہا تھا کہ اسے شدت کی پیاس لگی اسے ایک کنواں ملا اور اس نے اس میں اتر کر پانی پیا۔جب باہر نکلا تو وہاں ایک کتا دیکھا جو ہانپ رہا تھا اور پیاس کی وجہ سے تری کو چاٹ رہا تھا۔اس شخص نے کہا کہ یہ کتا بھی اتنا ہی زیادہ پیاسا معلوم ہو رہا ہے جتنا میں تھا۔ چنانچہ وہ پھر کنویں میں اترا اور اپنے جوتے میں پانی بھرا اور منہ سے پکڑ کر اوپر لایا اور کتے کو پانی پلایا۔اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو پسند فرمایا اور اس کی مغفرت کر دی۔صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہمیں جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے میں بھی ثواب ملتا ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں ہر تازہ کلیجے والے پر نیکی کرنے میں ثواب ملتا ہے۔

(صحیح بخاری)

حمزہ برہانؒ کا قتل اور ریاستی ردعمل!!!

مظفرآباد کے ایک نجی تعلیمی ادارے کے پرنسپل ارجمند گلزار المعروف حمزہ برہانؒ کے قتل نے ایک بار پھر پاکستان اور آزاد کشمیر میں ہونے والی ان پراسرار ٹارگٹ کلنگز کے سلسلے کو توجہ کا مرکز بنا دیا ہے جن کے بارے میں مختلف حلقوں میں متضاد آراء پائی جاتی ہیں۔اس واقعے کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حملے کے چند ہی منٹ بعد بھارتی ذرائع ابلاغ نے اسے ایک ایسے شخص کی شہادت قرار دینا شروع کردیا جسے وہ ماضی کے اہم عسکری واقعات، خصوصاً پلوامہ حملے، سے جوڑتے رہے ہیں۔اس کے برعکس مقامی انتظامیہ اور حکام کی جانب سے ابتدائی طور پر اس واقعے کو ایک نجی تعلیمی ادارے کے پرنسپل کے قتل کے طور پر پیش کیا گیا، جبکہ اس کے ممکنہ پس منظر یا محرکات کے بارے میں کوئی واضح مؤقف اختیار نہیں کیا گیا۔نتیجتاً اطلاعاتی خلا نے مختلف قیاس آرائیوں کو جنم دیا اور سوشل میڈیا پر متعدد متبادل بیانیے گردش کرنے لگے۔یہ واقعہ کسی ایک فرد یا ایک مخصوص تنظیم سے وابستہ معاملہ نہیں بلکہ ایک وسیع تر رجحان کا حصہ دکھائی دیتا ہے۔گزشتہ چند برسوں کے دوران پاکستان اور آزاد کشمیر میں ایسی متعدد ٹارگٹ کلنگز رونما ہو چکی ہیں جن کے متاثرین کا تعلق ماضی میں کشمیر یا خالصتان سے وابستہ تحریکوں سے رہا ہے۔ان واقعات کے بعد بھارتی ذرائع ابلاغ اور بعض سیاسی حلقوں کے بیانات نے ان شبہات کو تقویت دی ہے کہ بھارت اپنی سلامتی کی پالیسی کے تحت سرحد پار اہداف کے خلاف کارروائیوں کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے۔بھارت کی جانب سے اس نوعیت کی پالیسی کا تصور کوئی نیا نہیں۔گزشتہ دہائی کے دوران بھارتی قیادت کی جانب سے ایسے بیانات سامنے آتے رہے ہیں جن میں قومی سلامتی کے لیے خطرہ سمجھے جانے والے عناصر کو سرحدوں سے باہر بھی نشانہ بنانے کی صلاحیت اور ارادے کا اظہار کیا گیا۔بین الاقوامی سطح پر بھی بعض رپورٹس اور سفارتی تنازعات نے اس بحث کو مزید تقویت دی ہے۔خصوصاً کینیڈا میں پیش آنے والے واقعات کے بعد یہ معاملہ عالمی توجہ حاصل کر چکا ہے اور ریاستی خودمختاری کے تناظر میں زیر بحث آیا ہے۔اصل سوال یہ نہیں کہ مقتولین کا ماضی کیا تھا یا ان کے بارے میں مختلف ممالک کے بیانیے کیا کہتے ہیں۔بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی ریاست کی سرزمین پر بیرونی عناصر یا غیر ملکی نیٹ ورکس کارروائیاں کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں تو یہ معاملہ قومی خودمختاری، داخلی سلامتی اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی استعداد سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔اسی تناظر میں ضروری ہے کہ ہر ایسے واقعے کی شفاف، جامع اور پیشہ ورانہ تحقیقات کی جائے۔محض قیاس آرائیوں یا غیر مصدقہ دعوؤں کی بنیاد پر نتائج اخذ کرنے کے بجائے ٹھوس شواہد اور قابل اعتماد معلومات کو بنیاد بنایا جانا چاہیے۔مزید برآں ریاستی سطح پر ایک واضح اور مستقل پالیسی کی ضرورت ہے جو اس امر کا تعین کرے کہ پاکستان اپنی سرزمین پر مبینہ بیرونی مداخلت یا سرحد پار کارروائیوں کو کس حد تک قابل قبول سمجھتا ہے اور ان کے تدارک کے لیے اس کے پاس کیا حکمت عملی موجود ہے۔حمزہ برہان کا قتل ایک فرد کی جان کے ضیاع سے بڑھ کر کئی اہم سوالات کو جنم دیتا ہے۔جب ایک تعلیمی ادارے کے باہر ایک کشمیری استاد محفوظ نہ ہو، تو وہ کشمیری جو یہاں نوے سے موجود ہیں اور اب مہاجرت کی زندگی گذار رہے ہیں اپنے تحفظ کے بارے میں کیا سوچے؟ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ ایسے واقعات معاشرے میں خوف، بے یقینی اور عدم اعتماد کو جنم دیتے ہیں۔اگر بروقت اور شفاف تحقیقات نہ ہوں تو افواہیں اور قیاس آرائیاں مزید فضا کو آلودہ کر دیتی ہیں، جس کا فائدہ صرف ان عناصر کو ہوتا ہے جو ایسا ہی ماحول چاہتے ہیں۔وقت کا تقاضا ہے کہ اس واقعے کی مکمل، شفاف اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کی جائے، ذمہ داران کو قانون کے کٹہرے میں لایا جائے، اور عوام کو حقائق سے آگاہ کیا جائے جب تک ان سوالات کے واضح اور قابل اعتماد جوابات سامنے نہیں آتے، اس نوعیت کے واقعات کے بارے میں شکوک وشبہات برقرار رہیں گے اور مستقبل میں مزید ایسے واقعات کے امکانات بھی مکمل طور پر رد نہیں کیے جاسکیں گے۔

شیخ غلام حسنؒ۔۔۔ایک عہد جو تمام ہوا

شہباز بڈگامی

مقبوضہ جموں وکشمیر کی دینی، سماجی اور سیاسی تاریخ میں شیخ غلام حسن ایک نہایت باوقار اور بااثر شخصیت کے طور پر یاد رکھے جائیں گے۔ وہ 16 مئی 2026ء کو طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ جناب شیخ ؒ کے انتقال پر ملال کو پورے مقبوضہ جموں وکشمیر میں شدت کیساتھ محسوس کیا گیا۔ ہر مکتبہ فکر نے ان کے وفات کو ایک بڑا نقصان قرار دیا۔ اور پھر جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا، تو چشم فلک نے وہ سارے بندھن اور ضبط ٹوٹتے بھی دیکھے، جس پر 05 اگست 2019 کے بعد شاذو نادر ہی مشاہدہ کیا جا چکا ہو۔ تاری گام کولگام کی تمام گلیاں اور کوچے انسانوں سے بھر چکے تھے، جس پر اپنوں کے ساتھ ساتھ پرائے بھی انگشت بدنداں رہے۔

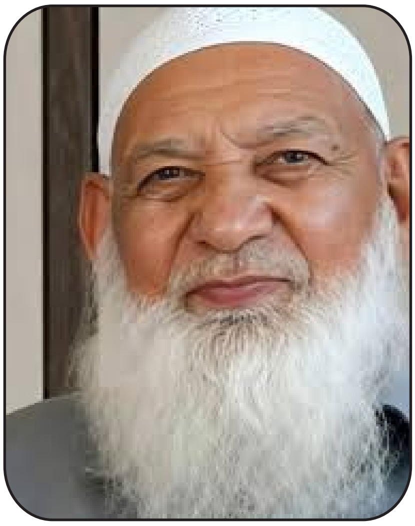

شیخ حسنؒ کا تعلق جنوبی کشمیر کے ضلع کولگام کے تاریخی گاؤں تاری گام سے تھا۔ وہ ایک مذہبی اور باوقار گھرانے میں پیدا ہوئے جہاں دینی تعلیم اور سماجی شعور کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے میں حاصل کرنے کے بعد انہوں نے دینی علوم اور اسلامی فکر کا گہرا مطالعہ کیا۔ ابتدائی عمر ہی سے وہ اسلامی تحریکات اور معاشرتی اصلاح کے نظریات سے متاثر تھے۔ یہی رجحان بعد ازاں انہیں جماعتِ اسلامی کے قریب لے آیا، جہاں انہوں نے اپنی پوری زندگی تحریک، دعوت اور تنظیمی سرگرمیوں کیلئے وقف کی تھی۔

جماعتِ اسلامی مقبوضہ جموں وکشمیر کے ساتھ ان کی وابستگی نصف صدی سے زائد عرصے پر محیط رہی۔ وہ جماعت اسلامی کے ان رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے مشکل ترین حالات میں بھی تنظیمی ڈھانچے کو سنبھالے رکھا اور اس کیلئے اپنا سب کچھ تج دیا۔ انہوں نے مختلف ادوار میں جماعت کے ضلعی اور مرکزی عہدوں پر فائز رہ کر خدمات سرانجام دیں اور بعد ازاں امیر جماعتِ اسلامی جموں وکشمیر منتخب ہوئے۔ وہ 2006ء سے 2012ء تک مسلسل دو ادوار میں امیر جماعت اسلامی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ان کی قیادت کے دوران جماعتِ اسلامی نے مقبوضہ جموں وکشمیر میں تعلیمی، رفاہی اور دینی سرگرمیوں کو بھرپور فروغ دیا۔ وہ ہمیشہ سیاسی جدوجہد، عوامی شعور اور اسلامی اقدار کے فروغ کے پرزور حامی رہے۔

شیخ حسنؒ کشمیری عوام کے حق خودارادیت کے مضبوط حامی تھے۔ وہ اس بات پر زور دیتے رہے کہ تنازعہ کشمیر کا حل عوامی اور سیاسی جدوجہد میں مضمر ہے۔ بعض انٹرویوز میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ مسئلہ کشمیر کے پائیدار حل کیلئے سیاسی حکمتِ عملی ناگزیر ہے۔ انہوں نے ریاستی جبر، گرفتاریوں، انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور جماعتِ اسلامی پر پابندیوں کی کھل کر مخالفت کی۔ وہ بھارت کی جانب سے جماعتِ اسلامی مقبوضہ جموں وکشمیر پر عائد پابندیوں اور کریک ڈاؤن کے شدید ناقد تھے۔ 2019ء میں مودی حکومت کی جانب سے جماعت اسلامی مقبوضہ جموں وکشمیر پر پابندی عائد کیے جانے کے بعد انہوں نے اسے اہل کشمیر کی شناخت، دینی آزادی اور سیاسی آواز کو دبانے کی ناکام کوشش قرار دیا۔ شیخ محمد حسن کا کہنا تھا کہ اندھی طاقت کے استعمال سے نظریات کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے مطابق جماعت کی اصل قوت عوام کے اندر اس کی سماجی خدمت، تعلیمی کردار اور دینی وابستگی ہے اور پھر وقت نے انہیں درست ثابت کیا۔ ان کے مخالفین بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے ذاتی صدمات کو سیاسی انتقام یا اشتعال انگیزی کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ نسبتاً متوازن رویہ اختیار کیا۔

شیخ غلام حسنؒ کی زندگی قربانیوں سے عبارت ہے۔ ان کے خاندان نے تنازعہ کشمیر کی بھاری قیمت ادا کی اور شدید مصائب جھیلے۔ ان کے ایک لختِ جگر نثار الحسن کی شہادت نے ان کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ کشمیری حلقوں میں یہ واقعہ ایک بڑی قربانی کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور اسے بھارتی عسکری پالیسیوں اور مظالم کے تناظر میں یاد کیا جاتا ہے۔ کشمیری عوام کے نزدیک اس قربانی کو جناب شیخ کے خاندان کی جدوجہد اور قربانی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ جناب شیخ ؒ نے ہمیشہ بیٹے کی قربانی پر فخر کیا اور ان کے ماتھے پر بل نہیں بلکہ ان کا نورانی چہرہ انبساط سے کھل اٹھتا تھا، اور پھر انہیں اپنے شہید بیٹے کی قبر کے ساتھ ہی سپرد خاک کر کے اشکبار آنکھوں کے ساتھ الوداع کہا گیا۔

مقبوضہ جموں وکشمیر کی سیاست میں مختلف اوقات میں جماعتِ اسلامی اور اس سے وابستہ شخصیات کے خلاف پرایوں کے علاوہ اپنوں نے بھی مذموم وار کرنے سے اجتناب نہیں کیا۔ شیخ صاحبؒ ہمیشہ اس مؤقف پر قائم رہے کہ جماعتِ اسلامی ایک نظریاتی اور عوامی جماعت ہے جس کا مقصد سماجی اصلاح، دینی بیداری اور کشمیری عوام کے حقوق کی حمایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ طویل العمری اور خرابی صحت کے باوجود متعدد مواقع پر

جماعتِ اسلامی مقبوضہ جموں وکشمیر کے ساتھ ان کی وابستگی نصف صدی سے زائد عرصے پر محیط رہی۔ وہ جماعت اسلامی کے ان رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے مشکل ترین حالات میں بھی تنظیمی ڈھانچے کو سنبھالے رکھا اور اس کیلئے اپنا سب کچھ تج دیا۔ انہوں نے مختلف ادوار میں جماعت کے ضلعی اور مرکزی عہدوں پر فائز رہ کر خدمات سرانجام دیں اور بعد ازاں امیر جماعتِ اسلامی جموں وکشمیر منتخب ہوئے۔ وہ 2006ء سے 2012ء تک مسلسل دو ادوار میں امیر جماعت اسلامی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ان کی قیادت کے دوران جماعتِ اسلامی نے مقبوضہ جموں وکشمیر میں تعلیمی، رفاہی اور دینی سرگرمیوں کو بھرپور فروغ دیا۔ وہ ہمیشہ سیاسی جدوجہد، عوامی شعور اور اسلامی اقدار کے فروغ کے پرزور حامی رہے۔

"جے ڈی ایف" نامی انتشاری ٹولے سے ببانگ دہل اظہار لاتعلقی بھی کرتے رہے، اور اس سلسلے میں کسی ملامت یا مخالفت کو خاطر میں نہیں لائے، جسے ان کے اولوالعزم ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ انہوں نے کئی مواقع پر اس بات پر زور دیا کہ جماعت کو غیر ضروری طور پر متنازعہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ اس کی عوامی حمایت کو کمزور کیا جاسکے۔ ان کے مطابق اگر کسی فرد یا گروہ کے اعمال یا طرزِ تخاطب کو بنیاد بنا کر پوری جماعت کو موردِ الزام ٹھہرایا جائے تو یہ قرین انصاف نہیں ہوگا۔

شیخ غلام حسنؒ نہایت سادہ مزاج، نرم گفتار اور بردبار شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے قریبی ساتھی انہیں ایک اصول پسند، دیانتدار اور فکری رہنما کے طور پر یاد کرتے ہیں۔ وہ نوجوانوں کی تربیت، دینی تعلیم اور سماجی ہم آہنگی پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ مقبوضہ جموں وکشمیر کے دینی و سیاسی حلقوں میں انہیں نہایت ہی احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی وفات پر مختلف جماعتوں، حریت رہنماؤں اور عوامی شخصیات نے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ کشمیری عوام نے انہیں ایک باوقار مذہبی و سماجی رہنما کے طور پر خراجِ عقیدت پیش کیا۔ مقبوضہ جموں وکشمیر کی سیاسی، دینی اور سماجی تاریخ میں بعض شخصیات ایسی ابھرتی ہیں جو محض ایک تنظیم یا جماعت کی نمائندہ نہیں ہوتیں بلکہ پورے عہد کی علامت بن جاتی ہیں۔ شیخ محمد حسنؒ بھی انہی شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ جماعتِ اسلامی مقبوضہ جموں وکشمیر کے ان ابتدائی رہنماؤں میں شامل تھے جنہوں نے نہ صرف تحریک اسلامی کے نشیب و فراز کو قریب سے دیکھا بلکہ سخت ترین حالات میں اپنی فکری وابستگی، تنظیمی

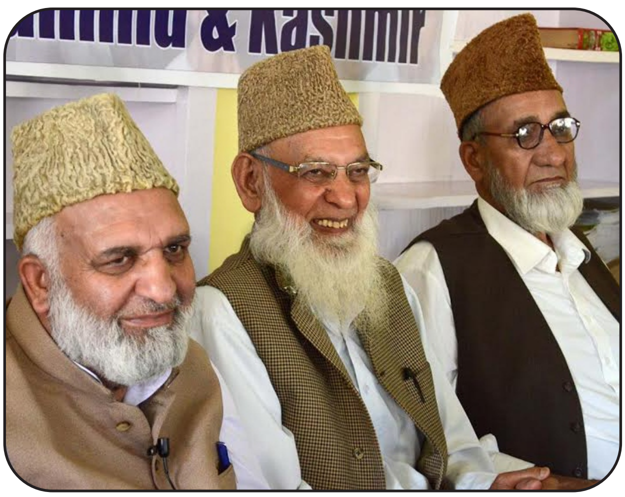

استقامت اور عوامی کردار کو برقرار رکھا۔

شیخ غلام حسنؒ کی زندگی قربانیوں سے عبارت ہے۔ ان کے خاندان نے تنازعہ کشمیر کی بھاری قیمت ادا کی اور شدید مصائب جھیلے۔ ان کے ایک لختِ جگر نثار الحسن کی شہادت نے ان کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ کشمیری حلقوں میں یہ واقعہ ایک بڑی قربانی کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور اسے بھارتی عسکری پالیسیوں اور مظالم کے تناظر میں یاد کیا جاتا ہے۔ کشمیری عوام کے نزدیک اس قربانی کو جناب شیخ کے خاندان کی جدوجہد اور قربانی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ جناب شیخؒ نے ہمیشہ بیٹے کی قربانی پر فخر کیا اور ان کے ماتھے پر بل نہیں بلکہ ان کا نورانی چہرہ انبساط سے کھل اٹھتا تھا، اور پھر انہیں اپنے شہید بیٹے کی قبر کے ساتھ ہی سپرد خاک کر کے اشکبار آنکھوں کے ساتھ الوداع کہا گیا۔

ان کی رحلت محض ایک فرد کی موت نہیں بلکہ مقبوضہ جموں وکشمیر کی ایک فکری اور تنظیمی روایت کے نقصان کے طور پر دیکھا گیا۔ ان کی زندگی جماعتِ اسلامی کی جدوجہد، کشمیری عوام کی مشکلات، سیاسی اتار چڑھاؤ، ریاستی دباؤ، قربانیوں اور نظریاتی وابستگی کی مکمل تصویر پیش کرتی ہے۔

وہ مطالعے کے بے حد شوقین تھے اور اسلامی تاریخ، فقہ، سیاسیات اور تحریکاتِ اسلامی کے موضوعات میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب تقسیم برصغیر کے بعد مقبوضہ جموں وکشمیر ایک پیچیدہ سیاسی بحران سے گزر رہا تھا۔ کشمیری عوام کی شناخت، سیاسی مستقبل اور حق خودارادیت کے سوالات شدت اختیار کر رہے تھے۔ ایسے ماحول میں نوجوان نسل مختلف فکری تحریکات کی جانب متوجہ ہو رہی تھی۔ شیخ محمد حسن بھی انہی نوجوانوں میں شامل تھے جنہوں نے دین اور سیاست کو ایک دوسرے سے جدا نہیں سمجھا۔

شیخ غلام حسنؒ کی عملی زندگی کا اصل آغاز جماعتِ اسلامی جموں وکشمیر سے وابستگی کے ساتھ ہوا۔ جماعتِ اسلامی جموں و کشمیر 1940ء اور 1950ء کی دہائیوں میں ایک مذہبی و سماجی اصلاحی تحریک کے طور پر ابھری تھی جس کا مقصد اسلامی تعلیمات کی روشنی میں معاشرتی اصلاح، دینی بیداری اور عوامی شعور پیدا کرنا تھا۔ وہ نوجوانی ہی میں جماعت کے حلقوں سے متاثر ہوئے۔ ان کی سادگی، تنظیمی صلاحیت اور فکری سنجیدگی نے جلد ہی انہیں جماعت کے سرگرم کارکنوں کی صفوں میں لا کھڑا کیا۔ انہوں نے گاؤں اور قصبوں کی سطح پر دعوتی سرگرمیوں میں حصہ لیا، دینی اجتماعات منعقد کیے، نوجوانوں کی تربیت کی اور عوام کے اندر سیاسی شعور بیدار کرنے کی کوشش کی۔

وہ ان رہنماؤں میں شامل تھے جو جماعت کو صرف ایک مذہبی تنظیم نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اصلاحی تحریک سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کشمیری عوام کو صرف سیاسی آزادی ہی نہیں بلکہ اخلاقی، تعلیمی اور سماجی اصلاح کی بھی ضرورت ہے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ کارکنوں کیساتھ قریبی تعلق رکھتے تھے اور مشکل حالات میں بھی تنظیمی نظم کو برقرار رکھتے تھے۔

شیخ صاحبؒ ہمیشہ اس مؤقف پر قائم رہے کہ جماعتِ اسلامی ایک نظریاتی اور عوامی جماعت ہے جس کا مقصد سماجی اصلاح، دینی بیداری اور کشمیری عوام کے حقوق کی حمایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ طویل العمری اور خرابی صحت کے باوجود متعدد مواقع پر "جے ڈی ایف" نامی انتشاری ٹولے سے ببانگ دہل اظہار لاتعلقی بھی کرتے رہے، اور اس سلسلے میں کسی ملامت یا مخالفت کو خاطر میں نہیں لائے، جسے ان کے اولوالعزم ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا

2006ء میں وہ جماعتِ اسلامی جموں وکشمیر کے امیر منتخب

ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب مقبوضہ جموں وکشمیر شدید سیاسی بحران، عسکری تحریک، بھارتی فوجی کریک ڈاؤن اور عوامی بے چینی کا شکار تھا۔ جماعتِ اسلامی پر بھی ریاستی دباؤ مسلسل بڑھ رہا تھا۔ ان حالات میں قیادت سنبھالنا آسان کام نہیں تھا، مگر شیخ محمد حسن نے کمال تحمل اور بہترین حکمت کیساتھ جماعت کو منظم رکھا۔ ان کی قیادت کے دوران جماعت نے تعلیمی سرگرمیوں، رفاہی منصوبوں اور سماجی خدمت کے کاموں پر خصوصی توجہ دی۔ جماعت کے زیرِ انتظام اسکولوں، یتیم خانوں اور فلاحی اداروں کو مزید فعال بنانے کی کوشش کی گئی۔ وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ معاشرے کی اصلاح صرف نعروں سے نہیں بلکہ عملی خدمت سے ممکن ہے۔ شیخ محمد حسن نے مقبوضہ جموں وکشمیر کی سیاسی صورتحال کو نہایت قریب سے مشاہدہ کیا۔ انہوں نے وہ دور بھی دیکھا جب سیاسی مزاحمت نسبتاً پرامن تھی اور وہ 36 برسوں کا دور بھی جب مقبوضہ جموں وکشمیر میں مسلح جدوجہد کا عروج رہا۔

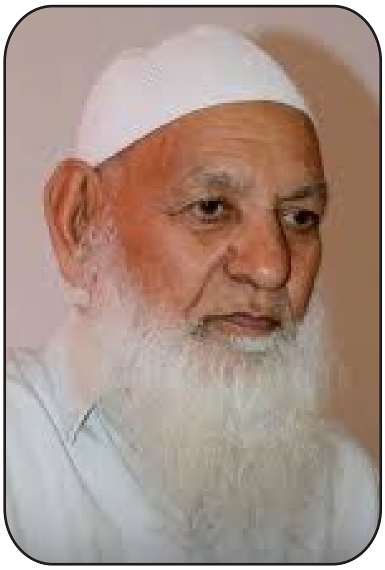

جماعتِ اسلامی جموں وکشمیر کی تاریخ مسلسل آزمائشوں سے بھری پڑی ہے۔ مختلف ادوار میں اس پر پابندیاں عائد کی گئیں، دفاتر سیل کیے گئے، کارکن گرفتار ہوئے اور رہنماؤں کو ہراساں کیا گیا۔ شیخ محمد حسن نے اپنی زندگی میں کئی مرتبہ ایسے کٹھن اور پر آشوب حالات کا سامنا کیا۔ ان کے مطابق جماعت کو صرف ایک سیاسی یا مذہبی جماعت کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک فکری قوت کے طور پر نشانہ بنایا جاتا رہا۔ وہ جذباتی نعروں کے بجائے فکری گفتگو کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کی تقاریر میں مذہبی حوالوں کیساتھ ساتھ سماجی اور سیاسی شعور بھی نمایاں ہوتا تھا۔ وہ نوجوانوں کی تربیت پر خاص توجہ دیتے تھے اور انہیں مطالعے، اخلاق اور نظم وضبط کی تلقین کرتے تھے۔ شیخ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا اثر صرف جماعتِ اسلامی تک محدود نہیں تھا۔ مقبوضہ جموں وکشمیر کے مختلف دینی، سیاسی اور سماجی حلقوں میں انہیں نہایت ہی احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کے ناقدین بھی ان کی دیانت داری، سادگی اور استقامت کے معترف تھے۔ انہوں نے مقبوضہ جموں وکشمیر میں مذہبی طبقے اور سیاسی شعور کے درمیان ایک توازن پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان کا ماننا تھا کہ مذہب کو صرف عبادات تک محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے معاشرتی انصاف، اخلاقی اصلاح اور عوامی خدمت کا ذریعہ بننا چاہیے۔

زندگی کے آخری برسوں میں شیخ صاحب شدید علالت کا شکار رہے۔ عمر اور بیماری کے باوجود وہ مقبوضہ جموں وکشمیر کی صورتحال پر گہری نظر رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً اپنے خیالات کا اظہار بھی کرتے تھے۔ وہ ان رہنماؤں میں شامل تھے جنہوں نے تحریک، تنظیم، جبر، قربانی، سیاسی تبدیلیوں اور عوامی جدوجہد کے کئی ادوار دیکھے ہیں، ان کی زندگی اس حقیقت کی عکاس ہے کہ مقبوضہ جموں وکشمیر کی سیاست صرف بھارتی فوجی طاقت اور مزاحمت کی کہانی نہیں بلکہ نظریات، قربانیوں، سماجی خدمت اور فکری استقامت کی داستان بھی ہے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی ایک نظریے کے ساتھ وابستگی میں گزاری۔ ان کی دیانت داری، سادگی اور استقامت کو وسیع پیمانے پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ مقبوضہ جموں وکشمیر کی تاریخ میں ان کا نام جماعتِ اسلامی کے ایک اہم رہنما، ایک صابر باپ، ایک فکری شخصیت اور ایک ثابت قدم کارکن کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ یہی ان کا کل سرمایہ افتخار ہے۔

انتقال پُر ملال ماہ مئی 2026

- عقاب بھائی سوناواری کی (والدہ) مقبوضہ کشمیر میں انتقال فرما گئیں
- بلال بھائی بانہال کے بڑے (بھائی) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئے
- ساجد بھائی کولگام کی (والدہ) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا چکی ہیں
- جہانگیر مصطفی گنگن سرینگر کی (والدہ) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئی
- ضیاء بھائی بانہال کے (بھائی) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا چکے
- ممتاز صفدر بھائی ہندواڑہ کے (والد) مقبوضہ کشمیر میں رضاالٰہی سے وفات پا چکے
- نثار احمد پرے ہاجن بانڈی پورہ کے (والد) رضائے الٰہی سے مقبوضہ کشمیر میں وفات پا چکے
- طلحہ جہانگیر زینہ گیر کی (والدہ) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئی
- سجاد احمد (جماعتی) پٹن بارہ مولہ راولپنڈی میں وفات پا گئے
- خورشید احمد کی (بیٹی) باغ آزاد کشمیر میں دریا میں ڈوب کر وفات پا گئی
- بشارت علی بانہال کی (ساس اماں) مظفر آباد آزاد کشمیر میں وفات پا گئی
- بشیر احمد پسوال کرناہ کا (بیٹا) نیلی مظفر آباد آزاد کشمیر میں وفات پا گئے
- حمزہ برہان بھائی پلوامہ مظفر آباد، آزاد کشمیر میں ایک قاتلانہ حملے میں شہید ہوئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے آمین۔ قارئین سے گزارش ہے کہ مرحومین کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں

ٹارگٹ کلنگ یا کانفلیکٹ مینجمنٹ؟

سید عارف بہار

آزاد کشمیر کے دارالحکومت کے مصروف علاقے میں ایک پرائیویٹ کالج کے پرنسپل کی ٹارگٹ کلنگ کے واقعے نے مقامی اور سرکاری سطح پر کوئی مخصوص رنگ پکڑا بھی نہیں تھا کہ چند منٹ کے بعد ہی بھارتی میڈیا نے فاتحانہ انداز میں اس واقعے کی خبریں شائع کرنا شروع ہو گیا۔ تجزیہ نگار اپنے زاویے سے اس واقعے پر تبصرے کرنے لگے۔ ان کی بیان کردہ کہانی کا خلاصہ یہ تھا کہ مظفرآباد میں پلوامہ حملے کے ماسٹر مائنڈ ارجمند گلزار المعروف حمزہ برہان کو نامعلوم افراد نے قتل کر دیا۔ بظاہر تو یہ محض خبر دینے اور نشر کرنے کا انداز تھا مگر دوران تبصرہ ہر چہرے اور ہر لفظ سے خوشی اور انبساط جھلک اور چھلک رہی تھی۔ ایک طرف کنٹرول لائن کے پار واقعے پر ایک واضح موقف تھا دوسری طرف آزاد کشمیر کے حکام اور انتظامیہ اسے محض کالج کے پرنسپل کے قتل سے تعبیر کر رہے تھے بلکہ اس پر واضح موقف دینے سے بھی گریز ہی کیا جا رہا تھا۔ صرف سوشل میڈیا پیچ

چوراہے قتل کی اس واردات کو گمنامی کے پردوں میں گم ہوجانے سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا یہی ایک سوچیں سوشل میڈیا مہارت سے اُبھر کر اسے عسکری تنظیموں کی باہمی چپقلش اور کشمکش کا شاخسانہ قرار دے رہی تھیں۔ غنیمت تھا کہ کوئی اسے موبائل چھیننے کی واردات نہیں کہہ رہا تھا۔ حمزہ برہان کون

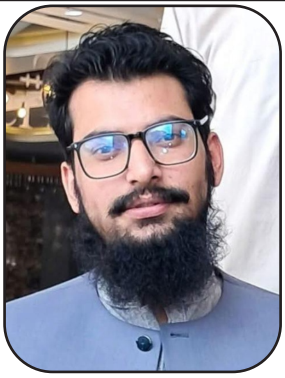

تھا کیا تھا۔ یہ بات اس وقت ثانوی ہو کر رہی گئی جب قتل کی واردات کے چند منٹ بعد ہی بھارتی میڈیا اسے ایک انتہائی مطلوب اور اہم ہدف کا قتل قرار دینے لگا۔ بھارتی حکام کئی برس پہلے پلوامہ حملے کا ذمہ دار قرار دے کر ان کے سر پر انعام مقرر کر چکے تھے۔ قتل کے وقت بھارتی میڈیا انہیں البدر کا کمانڈر قرار دے

ایک طرف کنٹرول لائن کے پار واقعے پر ایک واضح موقف تھا دوسری طرف آزاد کشمیر کے حکام اور انتظامیہ اسے محض کالج کے پرنسپل کے قتل سے تعبیر کر رہے تھے بلکہ اس پر واضح موقف دینے سے بھی گریز ہی کیا جا رہا تھا۔ صرف سوشل میڈیا پیچ چوراہے قتل کی اس واردات کو گمنامی کے پردوں میں گم ہوجانے سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا یہی ایک سوچیں سوشل میڈیا مہارت سے اُبھر کر اسے عسکری تنظیموں کی باہمی چپقلش اور کشمکش کا شاخسانہ قرار دے رہی تھیں۔ غنیمت تھا کہ کوئی اسے موبائل چھیننے کی واردات نہیں کہہ رہا تھا۔

رہا تھا۔ سری نگر میڈیا کی رپورٹس کے مطابق حمزہ برہان کا تعلق جنوبی کشمیر کے علاقے پلوامہ سے تھا اور کئی رپورٹس میں انہیں شہرہ آفاق پوسٹر بوائے برہان وانی کے گیارہ قریبی ساتھیوں میں سے ایک بتایا گیا مگر برہان وانی کے ان وردی پوش ساتھیوں کے ساتھ تمام گروپ فوٹوز میں حمزہ برہان کہیں دکھائی نہیں دے رہے۔ وہ شادی کرنے کے بعد مظفرآباد میں ایمز کالج میں پرنسپل کے طور پر معمول کی زندگی گزار رہے تھے۔ عینی شاہدین کے مطابق انہیں کالج سے باہر بلایا گیا کچھ دیر بات چیت کی گئی جب بات ختم ہو کر سب رخصت ہونے لگے تو ایک شخص نے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کی۔ چند گھنٹے موت وحیات کی کشمکش میں رہنے کے بعد وہ شیخ زید ہسپتال مظفرآباد میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے انتقال کر گئے۔ یوں وہ چند برس سے جاری واقعات کی زنجیر کی ایک اور کڑی بن کر رہ گئے۔ یہ پاکستان میں اپنے انداز کی قتل کی

پہلی واردات نہیں اور تجزیہ نگاروں کے مطابق آخری بھی نہیں۔ آخری اس لئے نہیں کہ پاکستان کے طول وعرض میں کشمیر کی تحریک سے وابستہ سابقین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو اب پیرانہ سالی کا شکار ہو کر معمول کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کو بھارت انتہائی مطلوب قرار دے چکا ہے اور اکثر کے سروں کی قیمت بھی مقرر ہے۔ بھارت کے پاس ایسے اہداف کی طویل فہرست ہے جو کشمیر میں اسے مختلف ادوار اور اوقات میں زخم لگا چکے ہیں۔ گزشتہ کئی برس سے بھارت اس فہرست میں چالیس کے قریب افراد کو پاکستان اور آزاد کشمیر کے اندر نشانہ بنا کر اپنا ہدف حاصل کر چکا ہے اور بھارت دھڑلے سے ان واقعات کی ذمہ داری قبول کر چکا ہے۔ یہ سلسلہ مبینہ طور پر خالصتان نواز شخصیات سے شروع ہوا مگر اس کا دائرہ کشمیری مزاحمت کے سابق کرداروں تک دراز ہو گیا۔ اس سلسلے کا پہلا واقعہ راولپنڈی کھنہ میں حزب المجاہدین کے مشہور کمانڈر پیر بشیر المعروف امتیاز عالم کا قتل تھا۔ عین اس وقت جب قاتل نامعلوم تھا ان کے جنازے کے جلوس میں کشمیریوں کے نعروں کی ڈور کو پکڑ کر قاتلوں تک پہنچا جا سکتا تھا مگر اس کے بعد واقعات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کے بعد کراچی میں پرنسپل خالد رضا کا قتل ہوا اور پھر ملک کے طول وعرض سے وقفے وقفے سے ایسی ٹارگٹ کلنگ کی خبریں آنے لگیں۔ ہر واقعے کے چند منٹ بعد بھارتی میڈیا کا جشن عملی طور پر واقعے کی ذمہ داری قبول کرنے کا ایک انداز تھا اس کے برعکس ہر واقعے کے بعد پاکستان میں ماحول پر ایک تذبذب اور احتیاط کا رنگ غالب ہوتا

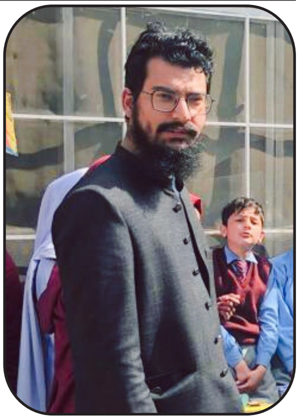

عینی شاہدین کے مطابق انہیں کالج سے باہر بلایا گیا کچھ دیر بات چیت کی گئی جب بات ختم ہو کر سب رخصت ہونے لگے تو ایک شخص نے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کی۔ چند گھنٹے موت وحیات کی کشمکش میں رہنے کے بعد وہ شیخ زید ہسپتال مظفرآباد میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے انتقال کر گئے۔ یوں وہ چند برس سے جاری واقعات کی زنجیر کی ایک اور کڑی بن کر رہ گئے۔ یہ پاکستان میں اپنے انداز کی قتل کی پہلی واردات نہیں اور تجزیہ نگاروں کے مطابق آخری بھی نہیں۔

ہے۔ یہاں تک بھارتی وزیر داخلہ راجناتھ سنگھ نے لگی لپٹی بغیر کہہ دیا کہ ہم نے گھس کر مارا ہے اور مزید ایسی کاروائیاں کریں گے۔ پاکستان میں Hot pursuit یعنی گرم تعاقب ایک دیرینہ نعرہ رہا ہے۔ یہ اسرائیل کی فلسطینیوں کے خلاف اپنائی گئی پالیسی سے کشید کیا گیا تھا جس میں اسرائیل فلسطین سے باہر اردن دوبئی مصر وغیرہ میں مقیم حماس اور الفتح اور پاپولر فرنٹ سمیت کئی تنظیموں سے وابستہ شخصیات کو نشانہ بناتا رہا ہے۔ جس کا آغاز فلسطین کے معروف قلم کار ناولسٹ اور پاپولر فرنٹ کے لیڈر غسان کنفانی کو بیروت میں قتل کرنے سے ہوا تھا۔ 2016 میں بھارت نے علاقائی سطح پر اس پالیسی کی مشق برما میں قائم سیون سسٹرز میں چلنے والی ایک تحریک سے وابستہ لوگوں کے ایک مبینہ کیمپ کو نشانہ بنا کر کیا تھا اور اس وقت ہی بھارت کا روئے سخن یوں پاکستان کی طرف تھا کہ بھارتی وزیر داخلہ کا کہنا تھا کہ ضرورت پڑنے میں دوسرے ملکوں میں بھی اپنے مطلوب افراد کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔ جس کا جواب اس وقت کے پاکستانی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے یہ کہہ کر دیا تھا کہ بھارت پاکستان کو برما سمجھنے کی غلطی نہ کرے۔ عملی طور پر بھارت نے اپنے اہداف کو نشانہ بنانا شروع کیا۔ یہ تو ان کا پاؤں کینیڈا کی دلدل پر پڑا اور کینیڈا نے اس معاملے کو اپنی خود مختاری اور اقتدار اعلیٰ پر حملہ قرار دے کر بھارت کو دفاعی پوزیشن میں دھکیل کر اسے مزید کسی ایسے قدم سے روک دیا۔ پاکستان ان واقعات کو عالمی سطح پر پیش نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ 2024 میں برطانیہ کے مشہور اخبار گارڈین نے ان واقعات پر ایک تہلکہ خیز سٹوری شائع کی جس کا عنوان تھا

Indian government ordered intelligence,killings in Pakistan officials claim

اس رپورٹ میں کشمیری عسکریت سے وابستہ افراد کی ٹارگٹ کلنگ کے واقعات پر دونوں طرف کے انٹیلیجنس ذرائع کے حوالے دیئے گئے تھے۔ اسے بھارتی ذرائع نے ٹارگٹ کلنگ کی بجائے کانفلیکٹ مینجمنٹ کے زاویے سے دیکھا تھا۔ اگر کانفلیکٹ مینجمنٹ کا یہ انداز ہے تو پھر خون کی ندیاں بہہ جانے کے خطرات موجود ہیں۔ گارڈین کی رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ بھارتی خفیہ ایجنسی را یہ کاروائیاں متحدہ عرب امارات میں قائم اپنے سیلز کے ذریعے کرتی ہے۔ یہ سیل نہ صرف اُجرتی قاتلوں کو رقم فراہم کرتے ہیں بلکہ انہیں ہدایات بھی دیتے ہیں۔ یہ نیٹ ورک اگر کبھی برس پہلے پکڑا گیا تھا تو دوبارہ کیسے تشکیل پایا اور اپنے اہداف کو نشانہ بنانے میں کیونکر کامیاب ہو رہا ہے؟ یہ اور اس طرح کے کئی سوال اپنی جگہ موجود ہیں۔ پاکستان اس عمل کو کینیڈا کی طرح اپنی ریڈ لائن قرار دے کر سخت ردعمل ظاہر کرنے کا پیغام پہنچانے میں جب تک کامیاب نہیں ہوتا اس طرح کی مزید وارداتوں کے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

اس سلسلے کا پہلا واقعہ راولپنڈی کھنہ میں حزب المجاہدین کے مشہور کمانڈر پیر بشیر المعروف امتیاز عالم کا قتل تھا۔ عین اس وقت جب قاتل نامعلوم تھا ان کے جنازے کے جلوس میں کشمیریوں کے نعروں کی ڈور کو پکڑ کر قاتلوں تک پہنچا جا سکتا تھا مگر اس کے بعد واقعات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کے بعد کراچی میں پرنسپل خالد رضا کا قتل ہوا اور پھر ملک کے طول وعرض سے وقفے وقفے سے ایسی ٹارگٹ کلنگ کی خبریں آنے لگیں۔ ہر واقعے کے چند منٹ بعد بھارتی میڈیا کا جشن عملی طور پر واقعے کی ذمہ داری قبول کرنے کا ایک انداز تھا اس کے برعکس ہر واقعے کے بعد پاکستان میں ماحول پر ایک تذبذب اور احتیاط کا رنگ غالب ہوتا ہے۔

ایک ملاقات ...... اور پھر جنازہ

شیخ محمد امین

میں نے اسے پہلی بار کشمیر الیوم کے دفتر میں دیکھا تھا۔ وہ نہایت وقار اور شائستگی کے ساتھ آگے بڑھا، سلام کیا۔ میں نے جواب دیا اور حسب معمول خیریت دریافت کی۔ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ شاید یہ کسی یہاں رہے کسی کشمیری ساتھی کا بیٹا ہوگا جو ملاقات یا کسی کام کے لئے آیا ہے۔ چہرے پر معصومیت، گفتگو میں سنجیدگی اور آنکھوں میں ایک عجیب سی روشنی تھی۔

اسی دوران ان کے ساتھ آئے ہوئے ہمارے عزیز ساتھی محمد شاکر صاحب نے تعارف کرواتے ہوئے کہا۔۔۔ شیخ صاحب ۔۔۔ یہ حمزہ برہان ہیں، آپ کے دوست جناب غلام قادر صاحب کے داماد ہیں۔

یہ سنتے ہی میرے دل میں جیسے ایک محبت کی لہر دوڑ گئی۔ میں بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہوا، اسے اپنے قریب کیا اور گلے سے لگا لیا۔ نہ جانے کیوں اس لمحے دل عجیب جذبات سے بھر گیا۔ آنکھیں فرط مسرت سے نم ہوگئیں۔ یوں محسوس ہوا جیسے برسوں کی شناسائی تھی۔

اس کے بعد تقریباً دو گھنٹے تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ کشمیر، حالات حاضرہ، نوجوان نسل، امیدیں، خواب، قربانیاں۔ اس گفتگو میں برادرم ادریس صاحب اور قیصر فاروق صاحب بھی شریک ہوئے۔ نہ جانے کتنے موضوعات زیر بحث آئے۔

حمزہ برہان کی گفتگو میں شعور بھی تھا، درد بھی او اپنے وطن سے بے پناہ محبت بھی۔ میں اس کی باتیں سنتا رہا اور دل ہی دل میں اس نوجوان کی شخصیت سے متاثر ہوتا چلا گیا۔ وہ رخصت ہوئے تو یہ طے کر کے اٹھے کہ ملاقاتوں کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔۔۔ مگر کاتب تقدیر نے لوح محفوظ پر کچھ اور ہی لکھا تھا۔ اس یادگار ملاقات کے بعد دوسری ملاقات اس کے جنازے پر ہوئی۔

وہی چہرہ...... مگر خاموش

وہی آنکھیں...... مگر ہمیشہ کیلئے بند

وہی وجود...... مگر اب ایک بے جان جسم

آج بھی آنکھیں نم تھیں، مگر کیفیت مختلف تھی۔ اس دن خوشی کے آنسو تھے، آج رنج والم کے۔ دل پر ایک بوجھ سا تھا، روح جیسے کسی گہرے کرب میں مبتلا تھی۔ جنازے کے ہجوم میں کھڑا میں بار بار خود سے یہی سوال کر رہا تھا

اسے قتل کیوں کیا گیا؟

اس کا قصور کیا تھا؟

کیا اس کا جوان ہونا جرم تھا؟

کیا اس کے خواب خطرہ تھے؟

یا پھر اس کا اپنے وطن سے محبت کرنا ناقابل معافی گناہ بن گیا تھا؟

یہ سوال صرف میرے ذہن میں نہیں، بلکہ ہر اس شخص کے دل میں گونج رہا ہے جو ظلم، جبر اور ناانصافی کے اس ماحول کو محسوس کرتا ہے۔ ایک زندہ، باشعور اور امید سے بھرپور نوجوان کو یوں خاموش کر دینا صرف ایک فرد کا قتل نہیں، بلکہ ایک سوچ ایک خواب اور ایک مستقبل کا قتل ہے۔

حمزہ برہان اب اس دنیا میں نہیں، مگر اس کی پہلی ملاقات کی مسکراہٹ اور آخری دیدار کا کرب زندگی بھر میرے دل میں زندہ رہے گا۔ الوداع حمزہ۔۔۔ الوداع

رنگ لائے گا شہیدوں کا لہو

یہ لہو سرخی ہے آزادی کے افسانے کی
یہ شفق رنگ لہو
رنگ لائے گا شہیدوں کا لہو
جس کے ہر قطرے میں خورشید کئی
جس کی ہر بوند میں اک صبح نئی
دور جس صبح درخشاں سے اندھیرا ہوگا
رات کٹ جائے گی گل رنگ سویرا ہوگا
رنگ لائے گا شہیدوں کا لہو
اپنی رفتار کو اب اور ذرا تیز کرو
اپنے جذبات کو اب اور جنوں خیز کرو
ایک دو گام پہ اب منزل آزادی ہے
آگ اور خوں کے ادھر امن کی آبادی ہے
خود بخود ٹوٹ کے گرتی نہیں زنجیر کبھی
بدلی جاتی ہے بدلتی نہیں تقدیر کبھی
رنگ لائے گا شہیدوں کا لہو

تنویر نقوی

وادی کے چشموں سے کالج کے گیٹ تک: ایک ادھورا سفر

فیصل بن محمد

ڈاکٹر حمزہ برف پوش وادی کا بیٹا تھا، جہاں پہاڑوں کی چوٹیوں پر جمی برف سورج کی پہلی کرن کے ساتھ چمک اٹھتی ہے، جہاں چشمے پہاڑوں کے سینے سے پھوٹ کر نغمے گنگناتے ہیں، اور جہاں صبحیں پرندوں کی چہچہاہٹ سے جنم لیتی ہیں۔ وہ ایک ایسی سرزمین کا باسی تھا جہاں فطرت خود انسان کو سادگی، خلوص اور پاکیزگی کا سبق دیتی ہے۔ اسی حسین وادی کے ایک دینی اور علمی گھرانے میں اس نے آنکھ کھولی۔ یہ گھرانہ صرف ایک خاندان نہیں تھا بلکہ ایک فکری مدرسہ تھا۔ اس کے والد پہلے ہی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر اور جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں۔ اس فکری اور دینی ماحول نے اس کی شخصیت کو بچپن ہی سے ایک مقصد، ایک سمت اور ایک نظریہ عطا کیا۔ یہاں علم صرف معلومات نہیں تھا بلکہ عبادت تھا، اور کردار صرف اخلاق نہیں تھا بلکہ ایک ذمہ داری تھی۔

ڈاکٹر حمزہ برہان صرف ایک نام نہیں تھے، بلکہ ایک مکمل شخصیت، ایک فکری تسلسل اور ایک روشن مشن تھے۔ وہ علم کے وہ چراغ تھے جو خود جل کر دوسروں کی تاریک راہوں کو روشن کرتے ہیں۔ ان کے اندر ایک ایسی سادگی تھی جو دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی، اور ایک ایسا اخلاص تھا جو ہر رشتے کو حقیقت بنا دیتا تھا۔ وہ طلبہ کے لیے صرف استاد نہیں تھے بلکہ ایک مربی، ایک رہنما اور ایک فکری معمار تھے۔ وہ انہیں صرف کتابیں نہیں پڑھاتے تھے بلکہ سوچنا سکھاتے تھے، سمجھنا سکھاتے تھے، اور انسان بننا سکھاتے تھے۔ ان کے نزدیک تعلیم کا مقصد صرف ڈگریاں دینا نہیں تھا بلکہ کردار پیدا کرنا تھا۔

ان کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے تھا جہاں علم اور دین ایک دوسرے سے جدا نہیں تھے۔ یہ وہی تسلسل تھا جس نے انہیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جیسے عظیم تعلیمی ادارے تک پہنچایا اور پھر واپس اپنی مٹی میں لوٹا دیا تا کہ وہ یہاں علم کی شمع روشن کریں۔ وہ سمجھتے تھے کہ اصل کامیابی صرف ذاتی ترقی نہیں بلکہ اجتماعی اصلاح ہے۔

وہ میرے لیے صرف ایک دوست نہیں تھے بلکہ ایک چھوٹے بھائی کی طرح تھے۔ ان کی گفتگو میں اپنائیت تھی، ان کی مسکراہٹ میں اعتماد تھا، اور ان کے رویے میں ایک ایسی سچائی تھی جو کم ہی لوگوں میں باقی رہ گئی ہے۔ وہ اور میں شائد سب سے زیادہ ایک دوسرے سے مذاق بھی کرتے تھے. میرے بیٹے موسیٰ سے ان کی محبت بھی رسمی نہیں تھی بلکہ ایک خالص، بے لوث اور فطری رشتہ تھا۔ وہ اکثر موسیٰ کو دیکھ کر مسکراتے اور اس سے اس کے مستقبل کے بارے میں بات کرتے۔ ان کی باتوں میں ہمیشہ ایک امید ہوتی تھی، ایک خواب ہوتا تھا، اور ایک سمت ہوتی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ آنے والی نسل صرف تعلیم یافتہ نہ ہو بلکہ با کردار اور باشعور بھی ہو۔

2022 میں گوجرہ کے روز مارکی میں ہونے والے ایک سیمینار نے اس تعلق کو مزید گہرا کر دیا۔ وہاں فضا میں علم، فکر اور جذبے کی ایک عجیب کیفیت تھی۔ اسی موقع پر وہ بار بار موسیٰ سے کہتے رہے: ”ہمارا ادھورا مشن آپ نے اٹھانا ہے“۔ یہ جملہ صرف ایک نصیحت نہیں تھا بلکہ ایک پوری زندگی کا نچوڑ تھا۔ یہ ایک امانت تھی، ایک فکر تھی، اور ایک ذمہ داری تھی جو وہ آنے والی نسل کے حوالے کرنا چاہتے تھے۔ دو ہفتے پہلے انہوں نے مجھ سے ایک بات کہی جو آج دل پر ایک بھاری بوجھ کی طرح ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں آپ کو ایک ذمہ داری دینا چاہتا ہوں، میرے کالج کی رجسٹریشن آپ رکھ لیں اور کالج اب آپ چلائیں عیدگاہ والی سائڈ پر، مجھ سے اب یہ نہیں چلایا جاتا۔“

میں نے اس بات کو سن کر ہنستے ہوئے ٹال دیا اور صرف یہ کہا: ”اللہ بہتر کرے گا“۔ مگر وقت نے یہ ثابت کیا کہ بعض جملے مذاق نہیں ہوتے، وہ تقدیر کے اشارے ہوتے ہیں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ وہ مسکراتا ہوا چہرہ، وہ خلوص بھری آواز اور وہ محبت سے لبریز شخصیت کچھ ہی دنوں بعد ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائے گی۔ وہ اپنے ہی کالج کے گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔ وہی جگہ جہاں علم کے چراغ جلنے تھے، جہاں مستقبل سنورنا تھا، جہاں نسلوں کی امیدیں جڑنی تھیں۔ مگر اسی مقام پر ان پر اندھا دھند فائرنگ کی گئی۔ چند لمحوں میں وہ زمین پر گر گئے اور وہ چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا۔ یہ منظر صرف ایک شخص کی موت کا نہیں تھا بلکہ ایک پورے خواب کے خاتمے کا منظر تھا۔ وہ جو دوسروں کے لیے راستے بناتا تھا، آج خود راستے سے ہٹا دیا گیا۔ وہ جو دوسروں کے لیے روشنی بانٹتا تھا، آج خود اندھیرے میں چلا گیا۔ ان کا مسکراتا ہوا چہرہ اب صرف یادوں میں رہ گیا ہے۔ ان کی آوازیں، ان کی باتیں، ان کی اپنائیت سب ایک خاموشی میں بدل گئے ہیں جو دل کو اندر سے چیر دیتی ہے۔ یہ صرف ایک انسان کی موت نہیں ہے بلکہ ایک سوچ کا قتل ہے۔ یہ صرف ایک جسم کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک نظریے کی ادھوری کہانی ہے۔ جب ایسے لوگ چلے جاتے ہیں تو صرف ایک گھر نہیں ٹوٹتا بلکہ ایک پوری فکری دنیا بکھر جاتی ہے۔ اب وادی کی فضا بھی سوگوار محسوس ہوتی ہے۔ وہ چشمے جو کبھی گنگناتے تھے، آج جیسے خاموش ہیں۔ وہ پہاڑ جو وقار کی علامت تھے، آج خاموش کھڑے ہیں۔ اور وہ صبحیں جو کبھی زندگی کی علامت تھیں، آج اداسی میں ڈوبی ہوئی لگتی ہیں۔

ڈاکٹر حمزہ برہان کا جانا صرف ایک فرد کا جانا نہیں بلکہ ایک مشن کا ادھورا رہ جانا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ استاد صرف پڑھانے والا نہیں بلکہ ایک قوم بنانے والا ہوتا ہے۔ وہ اسی مشن پر آخری دم تک قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر حمزہ برہان کو اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کے درجات بلند کرے، ان کے مشن کو قبول فرمائے، اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کرے۔ اور شاید سب سے بڑا سوال یہی ہے کہ جب علم کے چراغ بجھائے جاتے ہیں تو کیا صرف ایک انسان جاتا ہے، یا پھر پوری نسلوں کے راستے تاریکی میں ڈوب جاتے ہیں؟

شہید حمزہ برہان اور شہید امتیاز عالم

جناب مبارک شاہ صاحب کا منظوم خراج عقیدت۔۔۔

سنو قافلہ والو خبر تازہ سنو
ایک اور ہم سفر کا وصال آگیا
خوبصورت تھا اور خوب سیرت بہت
راہ حق پر اسکا کمال آگیا
زندگی تج دی عدل و انصاف پر
تیغ زن تھا علم و حکمت کا خیال آگیا
اس قدر جری مانند حمزہ اسد
دشمنوں کی صفوں کا وبال آگیا
مثل برہان حق و باطل میں کر دی فرق
جب جہاں فیصلہ کا سوال آگیا
کر کے تقلید رہنما امتیاز کی
سر مقتل پیش کر دی جان عزیز
اور بھی منتظر ہیں اس راہ میں
یوں مبارک، عدو کا زوال آگیا

وہ شخص نہیں، ایک احساس تھا،

حمزہ شہید کی رفیقہ حیات کا منظوم خراج عقیدت

ارجمند گلزار ڈار المعروف "حمزہ برہان"
وہ شخص نہیں، ایک احساس تھا،
خاموش لبوں میں چھپا ہوا اک دردِ خاص تھا۔
آنکھوں میں اُمیدوں کے جلتے چراغ لیے،
سینے میں کئی خواب اور کئی راز لیے۔
وہ چلتا تو حوصلوں کی صدا ساتھ چلتی،
وہ رُکتا تو جیسے ہر دعا ساتھ رُکتی۔
لہجہ اُس کا نرم مگر ارادے فولاد تھے،
خاموشی میں بھی اُس کے کئی انقلابات تھے۔
وہ اپنے لیے کم، دوسروں کے لیے جیتا تھا،
ہر زخم چھپا کر بھی لوگوں کو حوصلہ دیتا تھا۔
پھر ایک دن ایسا آیا......خاموشی چھا گئی،
ہر آنکھ نم، ہر دل پہ اداسی سی آگئی۔
جیسے کسی ماں کی دعا بچھڑ گئی ہو کہیں،
یا وقت کی دھڑکن ہی ٹھہر گئی ہو کہیں۔
آج بھی جب اُس کا نام لبوں پر آتا ہے،
دل بے اختیار درد سے بھر جاتا ہے۔
کیونکہ کچھ لوگ مٹتے نہیں وقت کی گرد میں،
وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں لوگوں کے درد میں۔

کشمیریو! ناامید نہ ہونا

شہزادمنیر احمد

معاشرتی زندگی میں کسی بھی عمل کو دہرانے سے اس عمل میں دلچسپی کم ہوتی جاتی ہے۔۔لیکن یہ فلسفہ مجاہدانہ کرداروں پر لاگو نہیں

ہوتا۔کامیابی کی صورت میں مجاہدین کا مورال و اعتماد بڑھتا ہے۔ناکامی کی صورت می وہ اپنے لائحہ عمل (آپریشنز) پر نظر ثانی کرتے ہیں۔

زمین پرلڑی جانے والی جنگیں دوناموں سے پکاری جاتی ہیں۔ پہلی سیاسی جنگ اور دوسری نظریاتی جنگ۔سیاسی جنگ اقوام کے درمیان، مفادات حاصل کرنے کی کوشش ہوتی ہے جو دوسروں کے ریاستی وسائل پر قبضہ کرنے کی خاطرلڑی جاتی ہے۔اس جنگ کے لیے علامہ اقبال اور دیگر دانشور" کشور کشائی" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

صدیوں پرانی۔آزاد ریاست جموں وکشمیر پر غاصبانہ غیراخلاقی اورغیر قانونی برطانوی قبضہ کی جنگ کشمیری عوام نے میدان کارزارِمیں اپنی غیر معمولی،غیرت ملی،ہمت اورسیاسی کوششوں سے 1947 میں،ایک بین الاقوامی معاہدہ (PARTITION OF INDIA) کے تحت جیت لی ہوئی ہے۔۔دنیا بھر کے سیاسی قوانین و دساتیر کی رو سے ریاست جموں وکشمیر اب ایک مکمل آزاد ریاست ہے۔

1947 کے بعد آزاد ریاست جموں و کشمیر کو اپنے مستقبل کے سیاسی سفر کے لئے یہ یہ طے کرنا تھا کہ وہ اپنا سیاسی الحاق کس ریاست (پاکستان یا ہندوستان) کے ساتھ کرنا چاہتی ہے۔جو

کشمیری عوام نے اپنی سیاسی تاریخ، مذہب، ثقافت، تہذیب و تمدن کی بنیاد پر غیر اعلانیہ الحاق پاکستان سے کر چکی ہے۔اس فیصلے پر یہود ونصاریٰ ہندووں کی ملی بھگت اور واضح سازش کے تحت، 27اکتوبر 1947 کو، ہندوستان کی مسلح افواج کو سرینگر (کشمیر) میں اتارکر"دوسری جنگ"،یعنی نظریاتی جنگ،(حق و باطل) کی جنگ شروع کر دی۔

اس برطانوی حکومت کی قیادت میں تیار کردہ اس سازش اور جابرانہ قبضہ کے خلاف کشمیریوں کوایک بار پھر سے میدان جنگ میں اتر کر اپنے حق خودارادیت کے دفاع کی جنگ لڑنا پڑی۔ جو وہ بین الاقوامی اداروں اقوام متحدہ، انسانی بنیادی حقوق کی بین الاقوامی کونسل، اوآئی سی اور دیگر نمائندہ تنظیموں میں لڑ رہے ہیں۔حق خودارادیت کی جنگ میں کشمیری عوام ناکام نہیں ہوئے۔

یہود ونصاریٰ ہندووں کی ملی بھگت اورواضح سازش کے تحت، 27اکتوبر 1947 کو، ہندوستان کی مسلح افواج کوسرینگر (کشمیر) میں اتارکر" دوسری جنگ" یعنی نظریاتی جنگ، (حق و باطل) کی جنگ شروع کر دی۔ اس برطانوی حکومت کی قیادت میں تیارکردہ اس سازش اورجابرانہ قبضہ کے خلاف کشمیریوں کوایک بارپھر سے میدان جنگ میں اتر کراپنے حق خودارادیت کے دفاع کی جنگ لڑناپڑی۔جووہ بین الاقوامی اداروں اقوام متحدہ، انسانی بنیادی حقوق کی بین الاقوامی کونسل، اوآئی سی اوردیگرنمائندہ تنظیموں میں لڑرہے ہیں۔حق خودارادیت کی جنگ میں کشمیری عوام ناکام نہیں ہوئے۔

کشمیریو، ناامید نہیں ہونا۔

امید انسان کے اپنے ارادے سے جنم لیتی ہے۔جب انسان کوئی واضح مقصد طے کرتا ہے، اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کرتا ہے،

اس مقصد تک پہنچنے کے راستے تلاش کر لیتا ہے تو یہی چیز اسے مستقل امید فراہم کرتا ہے۔امید ایک فطری قوت ہے جو انسان کو مسلسل کوشش کرنے اور آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ہر انسان اپنے مستقبل کو بہتر بنانے خوشیاں سمیٹنے اور ناکامیوں سے باہر نکلنے کے لیے اسی امید کا سہارا لیتا ہے۔امید کا ماخذ، اللہ الرحمٰن کی ذات پر پختہ یقین اور بھروسہ ہے۔ یہ احساس کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہے اور کوئی کوشش رائیگاں نہیں جاتی انسان کو مایوسیوں کے اندھیروں میں روشنی دکھا کر بچاتا ہے۔

امیدیں بڑی سخت جان ہوتی ہیں دوست
کچل بھی دیں پھر بھی نہیں مرتیں

امید ہی ایسی طاقت ہے جو انسان کو مشکل حالات میں بھی ذرا سرکنے نہیں دیتی اور آگے بڑھنے کا راستہ دکھاتی ہے۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جب تک انسان زندہ رہتا ہے اس کی امیدیں بھی زندہ رہتی ہیں تبھی وہ فیصلے کرتا ہے۔اور ہمارے فیصلے ہی زندگی ہوتے ل ہیں۔حوصلہ اور استقامت امید کا دوسرا نام ہے۔اس مرحلے پر کشمیریوں کو متحد اور منظم رہ کر خود آگے بڑھنا اور نئی نسلوں کو متحرک کرنے کی شدید ضرورت ہے۔۔ ہمارے رویوں اور جذبوں اور امیدوں میں تھوڑا سا بھی جھول ہماری 77 سالوں میں حق خودارادیت کے لئے کی گئی کوششوں اور دی گئی قربانیوں کو ضائع کر دے گا۔

میرے ہم وطن کشمیریو!

بدلتے زمانوں کے تابع بدلتے حالات کے تحت، آپ اپنی جنگ حق خودارادیت کا لائحہ عمل بدل سکتے ہیں، لیکن خدارا اپنا ہدف نہ بدلنا۔اگر ہدف بدلنے کی لہر کسی سمت سے آئی یا تجویز اٹھے تو اسے مسترد کر دینا ہی آپ کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

فاعتبروایااولی الابصار

بابری مسجد سے کمال مولہ مسجد تک ہندوتوا کے سائے میں سسکتی اذانیں

اکھنڈ بھارت کا خواب یا اقلیتوں کا محاصرہ؟ آخر مسجدیں عدالتوں میں کیوں ہارنے لگیں، بھارت کس سمت جا رہا ہے؟

ایک اور مسجد خاموش ہو گئی، کیا اب سجدے بھی ثبوت مانگیں گے؟

عدالت، سیاست یا عقیدے کی جنگ؟ بھارت میں اقلیتیں کس موڑ پر کھڑی ہیں؟

ایک خاموش جنگ کی خونچکاں داستان

سید عمر اویس گردیزی

رات کی پیشانی پر کسی نے زعفرانی خوابوں کی ایسی سیاہی مل دی ہے کہ اب صبح بھی ڈرتی ڈرتی طلوع ہوتی ہے۔ گنگا کے کناروں سے ہمالیہ کی برف تک ایک خاموش سرگوشی پھیل رہی ہے...... جیسے کسی پرانے کاتب نے تاریخ کے اوراق سے چند نام کاٹنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ شہر وہی ہیں، گلیاں وہی، اذانوں کی بازگشت بھی کہیں کہیں باقی ہے، مگر ہوا میں ایک انجانا خوف تیرتا ہے۔ جیسے کسی نے وقت کے ماتھے پر "اکھنڈ بھارت" کا ایسا طلسم لکھ دیا ہو جس میں صرف اکثریت کے خوابوں کو جینے کی اجازت ہو، اور باقی سب کو تاریخ کی تاریک الماریوں میں بند کر دینے کا منصوبہ ہو۔ کہتے ہیں سلطنتیں پہلے تلوار سے فتح کی جاتی تھیں، مگر یہ صدی عجیب ہے...... یہاں دلوں پر قبضہ نعروں سے ہوتا ہے، عدالتوں سے ہوتا ہے، نصاب سے ہوتا ہے، اور پھر ایک دن لوگ جاگتے ہیں تو انہیں بتایا جاتا ہے کہ تمہاری عبادت گاہیں بھی تمہاری نہیں رہیں۔ کبھی کسی مسجد کی دیواروں میں مندر ڈھونڈا جاتا ہے، کبھی کسی گنبد میں صدیوں پرانی نفرت کی بازگشت سنائی جاتی ہے۔ اور حیرت یہ ہے کہ ہر نئے فیصلے کے بعد جشن کے دیے جلتے ہیں، مگر کسی کونے میں ایک بچہ خاموشی سے اپنے باپ سے پوچھتا ہے: "ابو...... کیا ہماری اذان بھی ایک دن تاریخ بن جائے گی؟" دہلی کے ایوانوں میں شاید اب بھی روشنی بہت ہے، مگر تاریخ جانتی ہے کہ سب سے خطرناک اندھیرے وہ ہوتے ہیں جو انسان کے دل میں اتریں۔ کشمیر کی وادیوں سے لے کر آسام کی خاموش بستیوں تک، منی پور کی جلتی راتوں سے لے کر اُن شہروں تک جہاں حجاب کو جرم اور شناخت کو شک بنا دیا گیا، ایک انجانا سا موسم پھیل رہا ہے۔ یہ موسم صرف سیاست کا نہیں، یہ خوف کا موسم ہے۔ ایسا خوف جس میں اقلیتیں اپنے ہی وطن میں اجنبی محسوس کرنے لگتی ہیں۔ اور پھر کہیں دور کوئی راہب، کوئی پنڈت، کوئی سیاست دان، کوئی نعرہ لگاتا ہے...... اور پورا ہجوم اُس نعرے کو مذہب سمجھ کر دہرانے لگتا ہے۔ مگر تاریخ کے صحیفے ایک راز ہمیشہ لکھتے آئے ہیں...... کہ نفرت بھی

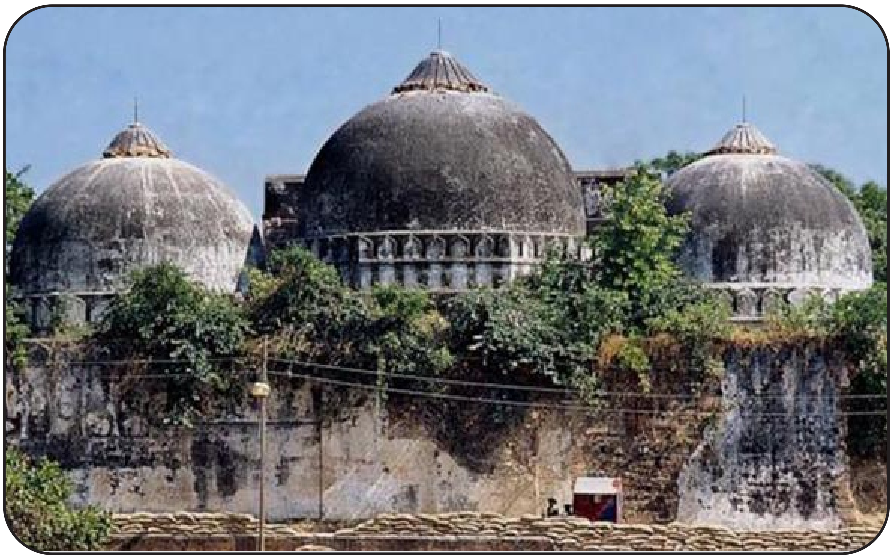

ابدی نہیں ہوتی۔ ظلم جتنا بھی مقدس لباس پہن لے، وقت ایک دن اُس کا چہرہ ضرور بے نقاب کرتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ اُس دن تک کتنی مسجدیں خاموش ہوں گی؟ کتنے سجدے بے گھر ہوں گے؟ اور کتنے لوگ اپنے ہی دیس میں اپنی شناخت کا ثبوت دیتے دیتے تھک جائیں گے؟ شاید آنے والی صدیوں میں کوئی مورخ لکھے کہ ایک سرزمین تھی جہاں لوگ خدا کو بانٹنے نکلے تھے...... مگر آخر کار خود ٹوٹ گئے۔

بھارت خود کو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کہتا ہے۔ ایک ایسا ملک جہاں آئین مذہبی آزادی، مساوات اور تمام شہریوں کے یکساں حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔ مگر گزشتہ چند برسوں میں ایسے واقعات، فیصلے اور سیاسی رجحانات سامنے آئے ہیں جنہوں نے نہ صرف بھارت کے اندر بلکہ پوری دنیا میں یہ سوال کھڑا کر دیا ہے کہ آیا بھارت واقعی اُس سیکولر شناخت پر قائم ہے جس کا دعویٰ کیا جاتا ہے یا نہیں۔ خاص طور پر مسلمانوں کے حوالے سے بڑھتی ہوئی کشیدگی، مذہبی تنازعات، ہجوم کے تشدد، عبادت گاہوں کے مقدمات، شہریت کے مسائل اور سیاسی بیانیوں نے اس بحث کو مزید گہرا کر دیا ہے۔ آج کا میرا یہ مضمون کسی مذہب کے خلاف نہیں بلکہ اُن سیاسی، سماجی اور نظریاتی رجحانات کا پر تنقیدی نکتہ نظر ہے جن پر ناقدین یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے بھارت میں اقلیتوں، خاص طور پر مسلمانوں، کے لیے عدم تحفظ کا ماحول پیدا کیا۔ بابری مسجد ایک ایسا زخم جو آج تک تازہ ہے۔ اگر بھارت میں مسجد اور مندر کے تنازعات کی تاریخ کو سمجھنا ہو تو بابری مسجد کا ذکر ناگزیر ہے۔ ایودھیا میں واقع بابری مسجد صدیوں پرانی عبادت گاہ تھی۔ ہندو تنظیموں کا دعویٰ تھا کہ یہ مسجد رام مندر کی جگہ پر بنائی گئی تھی، جبکہ مسلم فریق اسے ایک تاریخی مسجد قرار دیتا رہا۔ کئی دہائیوں تک یہ معاملہ عدالتوں میں چلتا رہا، مگر انیس سو بانوے میں دنیا نے وہ منظر دیکھا جس نے پورے برصغیر کو ہلا کر رکھ دیا۔ چھ دسمبر انیس سو بانوے کو ہزاروں شدت پسند کارسیوک بابری مسجد کے گرد جمع ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے مسجد شہید کر دی گئی۔ اس وقت بھارت میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے کئی بڑے رہنما موجود تھے اور بعد میں اس واقعے نے پورے بھارت میں خوفناک فسادات کو جنم دیا۔ ہزاروں لوگ مارے گئے، جن میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ بابری مسجد کا انہدام صرف ایک عمارت کا گرایا جانا نہیں تھا، بلکہ یہ ایک نفسیاتی اور تاریخی دھچکا تھا۔ ناقدین کے مطابق اسی واقعے نے بھارت میں ہندوتوا سیاست کو مرکزی دھارے میں لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ بعد میں سپریم کورٹ نے متنازع

زمین ہندو فریق کے حوالے کر دی جبکہ مسلمانوں کو متبادل زمین دینے کا حکم دیا گیا۔اس فیصلے پر بھی دنیا بھر میں بحث ہوئی اور کئی قانونی ماہرین نے سوال اٹھائے۔اس کے بعد گیان واپی مسجد کا ذکر آتا ہے، بابری مسجد کی شہادت کے بعد گیان واپی مسجد کا تنازع نمایاں ہوا۔وارانسی میں واقع اس مسجد کے بارے میں ہندو تنظیموں کا دعویٰ ہے کہ یہاں قدیم کاشی وشوناتھ مندر موجود تھا جسے مغل دور میں مسجد میں تبدیل کیا گیا۔مسلم فریق کا کہنا ہے کہ یہ صدیوں پرانی مسجد ہے اور اسے متنازع بنا کر سیاسی فائدہ اٹھایا جارہا ہے۔عدالتوں میں سروے، ویڈیو گرافی، آثار قدیمہ اور تاریخی دعووں کے نام پر یہ معاملہ مسلسل زیرِ بحث رہا۔مسلمانوں کے خدشات یہ ہیں کہ اگر ہر تاریخی عبادت گاہ کو ماضی کے دعووں کی بنیاد پر چیلنج کیا جانے لگا تو پھر ملک بھر میں مذہبی کشیدگی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا، پھر شاہی عیدگاہ اور متھرا تنازع شروع ہوگیا۔جی ہاں! متھرا میں شاہی عیدگاہ مسجد کا تنازع بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھا جاتا ہے۔ہندو تنظیمیں دعویٰ کرتی ہیں کہ مسجد کرشن جنم بھومی کے مقام پر قائم ہے۔مسلمان اس دعوے کو مسترد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبادت گاہوں سے متعلق انیس سو اکانوے کا قانون واضح طور پر کہتا ہے کہ آزادی کے وقت جس عبادت گاہ کی جو حیثیت تھی اسے برقرار رکھا جائے گا۔ ناقدین کے مطابق اگر اس قانون کے باوجود ایک کے بعد ایک عبادت گاہ متنازع بنتی جا رہی ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا بھارت میں واقعی مذہبی استحکام قائم رہ سکے گا یا نہیں۔

کہانی ختم نہیں ہوئی، بلکہ بھارت کا وہی تعصب اب بھی موجود ہے، ایک بار پھر نیا تنازعہ شروع ہوگیا ہے۔مدھیہ پردیش کے شہر دھار میں واقع بھوج شالا اور کمال مولہ مسجد تنازع حالیہ برسوں میں شدت اختیار کرگیا۔ہندو فریق اسے دیوی سرسوتی کا قدیم مندر قرار دیتا ہے جبکہ مسلمان اسے تاریخی مسجد کہتے ہیں۔عدالت کے حالیہ فیصلے میں اس مقام کو مندر قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کی نماز محدود کر دی گئی۔اس فیصلے نے ایک بار پھر یہ بحث چھیڑ دی کہ کیا بھارت میں اقلیتوں کی عبادت گاہیں محفوظ ہیں؟ بھارت ایک بار پھر مذہبی تنازع، عدالتی فیصلوں اور اقلیتوں کے حقوق کے سوالات کے مرکز میں کھڑا ہے۔مدھیہ پردیش کے تاریخی شہر دھار میں واقع وہ مقام، جسے مسلمان ''کمال مولہ مسجد''، جبکہ ہندو ''بھوج شالا'' کہتے ہیں، آج پورے برصغیر میں ایک نئی بحث چھیڑ چکا ہے۔مدھیہ پردیش ہائی کورٹ نے حالیہ فیصلے میں اس مقام کو دیوی سرسوتی کا مندر قرار دیتے ہوئے مسلمانوں سے جمعہ کی نماز کا حق واپس لے لیا۔بظاہر یہ ایک عدالتی فیصلہ ہے، مگر ناقدین کے مطابق اس کے پیچھے ایک لمبی نظریاتی، سیاسی اور مذہبی کشمکش موجود ہے، جو برسوں سے بھارت کے سماجی ڈھانچے کو بدل رہی ہے۔اس مقام کی تاریخ صدیوں پر محیط ہے۔ہندو روایات کے مطابق گیارہویں صدی میں مالوا کے راجہ بھوج نے یہاں ایک عظیم علمی و مذہبی مرکز قائم کیا تھا، جہاں سنسکرت کی تعلیم اور دیوی سرسوتی کی عبادت کی جاتی تھی۔بعد میں مسلم حکمرانوں کے دور میں اس مقام پر مسجد قائم ہوئی، جو حضرت کمال الدین مولہ سے منسوب سمجھی جاتی ہے۔یہی وہ نکتہ ہے جو آج کے تنازع کی بنیاد بن چکا ہے۔ہندو تنظیمیں دعویٰ کرتی ہیں کہ مندر کو مسجد میں تبدیل کیا گیا، جبکہ مسلمان کہتے ہیں کہ صدیوں سے یہاں نماز ادا ہوتی رہی اور یہ ایک تاریخی اسلامی عبادت گاہ ہے۔دو ہزار تین میں بھارتی آثار قدیمہ کے ادارے نے ایک عبوری نظام بنایا تھا جس کے تحت ہندوؤں کو مخصوص دنوں میں پوجا اور مسلمانوں کو جمعہ کی نماز کی اجازت دی گئی، مگر گزشتہ چند برسوں میں بھارت کی سیاسی فضا بدلتی گئی۔

> یہاں دلوں پر قبضہ نعروں سے ہوتا ہے، عدالتوں سے ہوتا ہے، نصاب سے ہوتا ہے، اور پھر ایک دن لوگ جاگتے ہیں تو انہیں بتایا جاتا ہے کہ تمہاری عبادت گاہیں بھی تمہاری نہیں رہیں۔ کبھی کسی مسجد کی دیواروں میں مندر ڈھونڈا جاتا ہے، کبھی کسی گنبد میں صدیوں پرانی نفرت کی بازگشت سنائی جاتی ہے۔ اور حیرت یہ ہے کہ ہر نئے فیصلے کے بعد جشن کے دیے جلتے ہیں، مگر کسی کونے میں ایک بچہ خاموشی سے اپنے باپ سے پوچھتا ہے:
>
> ''ابو......کیا ہماری اذان بھی ایک دن تاریخ بن جائے گی؟''

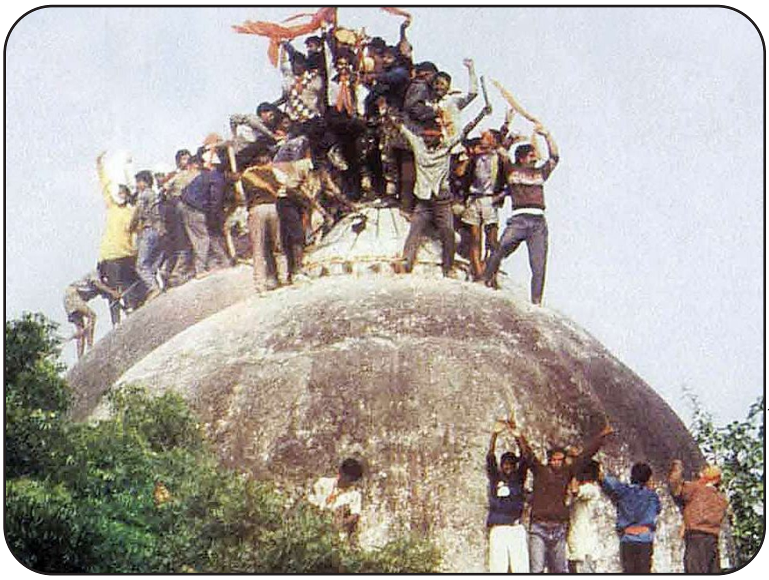

بابری مسجد، گیان واپی اور شاہی عیدگاہ جیسے مقدمات کے بعد بھوج شالا تنازع بھی شدت اختیار کرتا گیا۔ پھر آثارِ قدیمہ کا سروے ہوا، ستونوں، نقش و نگار اور تعمیراتی انداز کو بنیاد بنا کر عدالت میں یہ موقف پیش کیا گیا کہ اس مقام کی اصل حیثیت مندر کی تھی۔عدالت نے انہی شواہد کی بنیاد پر مسلمانوں کی عبادت روک دی اور مقام کو مندر قرار دے دیا۔ یہاں سوال صرف ایک عمارت کا نہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا صدیوں پرانی عبادت گاہوں کی مذہبی حیثیت اب تاریخی دعوؤں کی بنیاد پر تبدیل کی جاتی رہے گی؟

اگر یہی اصول قائم ہوگیا تو برصغیر میں کون سی عبادت گاہ محفوظ بچے گی؟

گزشتہ ایک دہائی میں بھارت میں گاؤ رکشا کے نام پر ہجوم کے تشدد کے متعدد واقعات سامنے آئے۔ کئی مسلمانوں کو صرف اس شبہے میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا کہ وہ گائے لے جا رہے تھے یا

گوشت کی تجارت سے وابستہ تھے۔ بعض واقعات میں لوگوں کو سڑکوں پر مارا گیا، ویڈیوز بنائی گئیں اور سوشل میڈیا پر پھیلائی گئیں۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے ان واقعات پر شدید تشویش ظاہر کی۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ بعض حلقوں نے مذہبی جذبات کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا، جبکہ حکومت پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ وہ ایسے واقعات کے خلاف مطلوبہ سختی نہیں دکھا سکی۔ کرناٹک میں حجاب تنازع نے پوری دنیا کی توجہ حاصل کی۔ تعلیمی اداروں میں مسلم طالبات کے حجاب پہننے پر پابندی کے بعد بڑے پیمانے پر احتجاج ہوا۔ مسلم حلقوں کا کہنا تھا کہ یہ مذہبی آزادی پر حملہ ہے، جبکہ حکومت اور بعض حلقوں نے اسے یونیفارم پالیسی کا معاملہ قرار دیا۔ اس تنازع نے ایک اہم سوال کھڑا کیا: کیا بھارت میں مسلمان اپنی مذہبی شناخت کے ساتھ مکمل آزادی سے زندگی گزار سکتے ہیں؟ شہریت ترمیمی قانون اور قومی رجسٹر برائے شہریات کے معاملات نے بھی بھارت میں شدید بے چینی پیدا کی۔ خاص طور پر آسام میں لاکھوں افراد کی شہریت مشکوک بن گئی۔ مسلمانوں میں خوف پیدا ہوا کہ کہیں انہیں غیر ملکی قرار نہ دے دیا جائے۔ دہلی سمیت کئی شہروں میں اس قانون کے خلاف بڑے پیمانے پر احتجاج ہوئے۔

دو ہزار بیس کے دہلی فسادات نے بھارت کے سیکولر تشخص پر ایک اور سوالیہ نشان لگا دیا۔ کئی روز تک جاری رہنے والے تشدد میں درجنوں افراد مارے گئے، جن میں بڑی تعداد مسلمانوں کی تھی۔ گھروں، دکانوں اور مساجد کو نقصان پہنچا۔ عالمی میڈیا اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے ان واقعات پر تشویش ظاہر کی۔

پانچ اگست دو ہزار انیس میں بھارتی حکومت نے جموں وکشمیر کی خصوصی آئینی حیثیت ختم کر دی۔ حکومت کا مؤقف تھا کہ اس اقدام سے ترقی اور استحکام آئے گا، مگر ناقدین نے اسے سیاسی اور آبادیاتی تبدیلی کی کوشش قرار دیا۔ خصوصی حیثیت ختم ہونے کے بعد زمین اور رہائش سے متعلق قوانین میں تبدیلیاں کی گئیں۔ بعض کشمیری حلقوں کو خدشہ ہے کہ اس سے خطے کی آبادیاتی ساخت تبدیل ہو سکتی ہے۔ انٹرنیٹ بندشیں، سیاسی رہنماؤں کی گرفتاریاں اور سخت سیکورٹی اقدامات بھی عالمی توجہ کا مرکز بنے۔۔ اس پورے منظرنامے میں سوال صرف حکومت یا اکثریتی سیاست پر نہیں بلکہ مسلم قیادت پر بھی اٹھتے ہیں۔

ہندوتوا کے خواب سجانے والو، تم آخر کس بھارت کی تعمیر کر رہے ہو؟ وہ بھارت جہاں اکثریت کے جشن میں اقلیتوں کے آنسو شامل ہوں؟ وہ بھارت جہاں خوف، شہریت سے بڑا اور نفرت، انسانیت سے مقدس ہو جائے؟ تمہیں اذان کی صدا سے اتنا خوف کیوں آتا ہے؟ تمہیں مسجدوں کے گنبدوں سے اتنی وحشت کیوں ہے؟ کیا تم واقعی ایک قوم کو تاریخ سے مٹانا چاہتے ہو یا اپنے ہی ملک کی روح کو زخمی کر رہے ہو؟ کشمیر کی خاموش وادیاں، آسام کی بے چینی، منی پور کی جلتی راتیں اور عدالتوں میں گھسیٹی جانے والی عبادت گاہیں آخر کس خواب کی تعبیر ہیں؟ کیا اکھنڈ بھارت کا مطلب صرف یہی رہ گیا ہے کہ اقلیتیں اپنے ہی وطن میں اجنبی بنا دی جائیں؟ اے دنیا کے خاموش ایوانو، تمہاری انسانیت آخر کس دن جاگے گی؟ کیا ظلم صرف وہی ہوتا ہے جو تمہارے کیمروں میں قید ہو؟ کیا مسجد پر خاموشی اس لیے ہے کہ مرنے والے مسلمان ہیں؟ کیا انسانی حقوق کے پیمانے بھی مذہب دیکھ کر بدل جاتے ہیں؟ جب ایک عبادت گاہ کی شناخت بدلی جاتی ہے تو تمہارے قلم کیوں خاموش ہو جاتے ہیں؟ تمہارے اخباروں کی سرخیاں کیوں سو جاتی ہیں؟ تمہارے عالمی ادارے کیوں گونگے ہو جاتے ہیں؟ آخر کب تک دنیا صرف تماشائی بنی رہے گی جبکہ ایک پوری قوم اپنی عبادت، اپنی شناخت اور اپنے وجود کے دفاع میں کھڑی ہے؟ یاد رکھو، تاریخ کی عدالتیں بہت خاموش ہوتی ہیں مگر اُن کے فیصلے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ شاید آنے والی نسلیں یہ سوال ضرور پوچھیں گی کہ جب عبادت گاہیں خاموش ہو رہی تھیں، جب اذانیں خوف میں لپٹی جا رہی تھیں، جب نفرت کو قوم پرستی کہا جا رہا تھا، تب دنیا آخر کہاں تھی؟

بھارت۔۔سندور جاری ہے۔۔۔؟

محمد احسان مہر

امریکہ مشرق وُسطیٰ کی دلدل زدہ جنگ سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح ایران کے ساتھ آبرومندانہ معاہدہ ہو جائے۔جنگ بندی اور سفارتکاری کے درمیان ایران،امریکہ تنازع کی غیر یقینی صورتحال وال اسٹریٹ جرنل نے بیان کی ہے۔امریکی جریدے(وال اسٹریٹ جرنل) کے مطابق ٹرمپ مشرق وسطیٰ کی جنگ کو طویل ہوتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے،دنیا میں جب روس اور یوکرین جیسے ممالک بھی جنگ سے نکلنا چاہتے ہیں،اور امریکہ جیسے طاقتور ملک بھی جنگوں سے سیکھ رہے ہیں،اس وقت بھارت کی سیاسی اور عسکری قیادت ایک سال بعد بھی اُجڑے سندور کی خاک اُچھال رہی ہے،اور بھارت میں سندور جاری ہے کی بات کی جا رہی ہے۔معرکہ حق اور آپریشن بنیان المرصوص کی کامیابی کے بعد شروع،شروع میں جب بھارت کی طرف سے سنُدور جاری ہے کی آوازیں آئیں تو اسے ہنڈوء ماہلائیں(شادی شدہ ہندو خواتین) کا دھرم سمجھا گیا،جسے خواتین اپنی خوبصورتی اور اپنے پتی کی خشنودی کیلئے اپنی مانگ میں بھرتی ہیں،یہ تو اُن کے دھرم کا حصہ ہے،اس میں ایسی کون سی بات ہے۔۔۔؟ زندہ وجاوید معاشرے میں یہ تو جاری رہنا چاہیے،پھر بتانے کی ضرورت کیا ہے۔۔۔؟لیکن جسطرح بھارت کی سیاسی اور عسکری قیادت (آپریشن سندور) جاری ہے کی بات کرتے ہیں، یہ بات دنیا کے پلے نہیں پڑ رہی، بھارت کے آپریشن سندور کا تو پاکستان نے مار،مار کر تندور بنا دیا ہے،جس کی آگ کی شدت بھارت میں آج بھی محسوس کی جا رہی ہے، پھر بار،بار سنُدور کے تنُدور سے بھارت کیا نکالنے کی کوشش کر رہا ہے،دراصل بھارت سنُدور کے نتیجے میں اُٹھنے والی دُھول میں اسقدر اُلجھا ہے کہ اسے یقین ہی نہیں آ رہا کہ ’’یہ ہمارے ساتھ‘‘ ایسا بھی ہو سکتا ہے،وہ سوچ رہا ہے کہ ہمارے ساتھ ہوا کیا ہے۔

جنگ کے دوران بھارتی میڈیا لاہور پورٹ پر قبضہ اور کراچی تباہ کرنے کی خبریں نشر کرتا رہا،اُس وقت (میں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا،کہ 15 سال لاہور میں رہ کر بھی سمندر نہ دیکھ سکا،فرضی قصے کہانیوں اور فتح کے جھوٹے دعووں کے درمیان جب اُسے یہ پتہ چلا کہ جدید ترین فضائی دفائی نظام ایس 400 اور 8 عدد جدید لڑاکا طیارے سنُدور کی دُھول میں گم ہو گئے ہیں،تو وہ حواس باختہ ہو گیا،ویسے بھارت کو سندور جاری ہے کا چرچا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پاکستانی اور کشمیری مسلمان اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ سندور بھارتی مہیلائیں (خواتین) کا دھرم ہے،اور سجنے سنورنے میں اس کا خاص کردار ہے،لیکن بھارتی سرکارُ سندوُ سے جس کردار کی توقع کر رہی ہے وہ دور، دور تک نظر نہیں

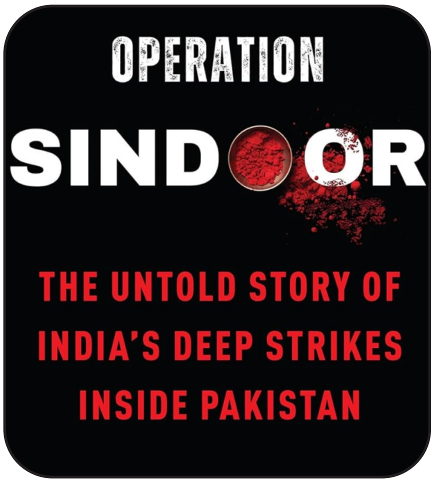

آ رہا،اس لئے سندور سے ایسی،ویسی (خام قسم کی) اُمید باندھنے کی بجائے بھارتی سرکار اندرونی استحکام اور علاقائی امن وسلامتی کے لئے کام کرے،بھارت سرکار سندور کے تندور سے خاک اُچھال خواہ مخواہ ہلکان ہو رہی ہے ،ہمارہ مشورہ ہے کہ اسے عورتوں کے لئے چھُوڑیں اور آگے بڑھیں، ہزاروں کام پڑے ہیں، آپ کرنے والے تو بنیں،اپنے ارد گرد دیکھیں اور کوئی سنجیدہ کام کر لیں،کوئی ایسا کام،جس سے سندور کی رسوائی،سفارتی تنہائی، دنیا میں بھارت کی جگ ہنسائی کا ماحول بدل جائے،اور اقوام متحدہ اور عالمی برادری کو یقین آجائے کہ بھارت بھی عالمی برادری کے ساتھ مل کر جنوبی ایشیاء میں امن واستحکام کے لئے علاقائی تنازعات حل کرنے میں سنجیدہ نظر آتا ہے،ویسے اب تک بھارت کو سندور کا چیپٹر کلوز کر کے یہ یقین آجانا چاہئے تھا کہ پاکستان نے سندور میں اتنی گہرائی اور تکنیکی مہارت سے تندور بنایا ہے کہ بھارت کی ذرا سی غلطی سے وہ اس تندور کو اب اپنی مرضی سے جتنا چاہے گہرا اور وسیع کر سکتا ہے،اور بھارت جتنا اس ’’تندور‘‘ میں جھانکے گا وہ اتنا ہی خوف محسوس کرے گا،بھارت کو چاہیے کہ وہ اس رسوائی،سفارتی تنہائی اور عالمی سطح پر جگ ہنسائی سے باہر نکلے اور اقوام متحدہ اور عالمی برادری کے سامنے کیے گئے اپنے وعدوں کی پاسداری کرے،تاکہ خطے میں دیگر تنازعات کے ساتھ ساتھ پاک بھارت تنازع کی اصل وجہ کشمیر کا تنازع بھی حل ہو سکے،اور جنوبی ایشیاء کے ممالک بھی دنیا کے ساتھ مل کر ترقی وخوشحالی کی منزل پا سکیں۔

امریکی صدر،ڈونلڈ ٹرمپ کے دورہ چین کے موقع پر جہاں ایران کا معاملہ بھی زیر بحث آنے کا قوی امکان ہے،چینی صدر شی جن پنگ نے کہا ہے کہ دنیا ایک دوراہے پر کھڑی ہے،بین الاقوامی صورتحال انتہائی تغیر پزیر اور ہنگامہ خیز ہے،انہوں نے صدر ٹرمپ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ طاقتور اور بڑے ملک ہونے کے ناطے اس کے جواب دہ ہم ہیں،چینی صدر نے کہا کہ تمام عالمی بحرانوں کا حل سفارتکاری اور مزاکرات ہیں،چین نے کہا کہ عالمی استحکام کے لئے ہمیں حریف نہیں شراکت دار بننے کی ضرورت ہے،امریکی صدر ٹرمپ نے کہا کہ چین، ایران کے ساتھ معاہدہ ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے،ایران کو مستقل طور پر ایٹمی ہتھیاروں سے دور رکھنا ہو گا،تمام تر اختلافات کے باوجود (امریکہ،چین) دونوں ملک تعاون جاری رکھیں گے۔

> امریکہ مشرق وُسطیٰ کی دلدل زدہ جنگ سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح ایران کے ساتھ آبرومندانہ معاہدہ ہو جائے۔جنگ بندی اور سفارتکاری کے درمیان ایران ،امریکہ تنازع کی غیر یقینی صورتحال وال اسٹریٹ جرنل نے بیان کی ہے۔امریکی جریدے (وال اسٹریٹ جرنل) کے مطابق ٹرمپ مشرق وسطیٰ کی جنگ کو طویل ہوتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے ، دنیا میں جب روس اور یوکرین جیسے ممالک بھی جنگ سے نکلنا چاہتے ہیں،اور امریکہ جیسے طاقتور ملک بھی جنگوں سے سیکھ رہے ہیں،اس وقت بھارت کی سیاسی اور عسکری قیادت ایک سال بعد بھی اُجڑے سندور کی خاک اُچھال رہی ہے،اور بھارت میں سندور جاری ہے کی بات کی جا رہی ہے۔

جسطرح بھارت کی سیاسی اور عسکری قیادت (آپریشن سندور) جاری ہے کی بات کرتے ہیں، یہ بات دنیا کے پلے نہیں پڑ رہی، بھارت کے آپریشن سندور کا تو پاکستان نے مار، مار کر تندور بنا دیا ہے، جس کی آگ کی شدت بھارت میں آج بھی محسوس کی جا رہی ہے، پھر بار، بار سندُور کے تندُور سے بھارت کیا نکالنے کی کوشش کر رہا ہے، دراصل بھارت سندُور کے نتیجے میں اُٹھنے والی دُھول میں اسقدر اُلجھا ہے کہ اسے یقین ہی نہیں آرہا کہ ’’یہ ہمارے ساتھ‘‘ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔

کرنے پر غور نہیں کر رہے، دوسری طرف خلیجی ممالک مشرق وسطیٰ کی جنگ کے بعد ایران کو بڑے خطرے کی صورت میں دیکھ رہے ہیں ۔امریکی ماہر سیاسیات (رابرٹ پیپٹ) کا کہنا ہے کہ موجودہ عالمی تنازعات کے تناظر میں چین اور ایران کی طرف سے امریکی صدر ٹرمپ کی تذلیل کی جا رہی ہے، یاد رہے کہ (ایرانی مذاکرات کاروں نے امریکی ایلچی سے ملنے سے انکار کر دیا تھا)۔ عالمی برادری طویل جنگی حالات سے کیا واقعی کچھ سیکھ پائی ہے، اور وہ عالمی تنازعات کے حل میں کیا سنجیدہ کردار ادا کرتی ہے، یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا، لیکن ان مشکل اور کشیدہ حالات میں بھارت سے کچھ مثبت آوازیں بھی آرہی ہیں، جنہیں 7 دہائیوں سے (مختلف ادوار میں) جاری جنگ اور کشیدہ حالات کی بھینٹ چڑھی دونوں اطراف کے عوام کے مفاد کی خاطران آوازوں کو نظرانداز نہیں کیا جانا چاہیئے، انڈین خفیہ ایجنسی را کے سابق چیف ایس، اے، دلت نے کہا کہ پاکستان کو تنہا کرتے کرتے بھارت خود عالمی تنہائی کا شکار ہوگیا، پاکستان پہلے سے زیادہ مضبوط ہے اسے توڑنے کی کوشش بیکار، یہ بکھر جائے گا، یہ باتیں پرانی ہو چکیں، سابق چیف نے کہا کہ بھارت کو پاکستان سے بات چیت جاری رکھنی چاہیئے، مقبوضہ کشمیر کے سابق وزراءاعلیٰ کی جانب سے بھی ان آوازوں کو خوش آئند قرار دیا جا رہا ہے، انڈین حکومت کی جانب سے ابھی اس پر کوئی باضابطہ ردعمل سامنے نہیں آیا، پاکستان دفتر خارجہ کے ترجمان نے کہا کہ بھارت کے اندر بات چیت کا مطالبہ کرتی یہ آوازیں مثبت پیش رفت ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ بھارت میں جوش کی بجائے ہوش غالب رہے گا، امید کی جانی چاہئے کہ بھارت ؛سندُور کے ٹوٹے غرور سے باہر نکل کر حالات کی بہتری، روشن مستقبل اور علاقائی ترقی وخوشحالی اور تنازعات کے حل کے لئے سنجیدہ اور بامعنی (مذاکرات) کی طرف قدم اُٹھائے گا۔

صدر ٹرمپ کے دورہ چین اور مشرق وسطیٰ کی صورتحال کے تناظر میں جرمن چانسلر ’’فریڈرک مرز‘‘ نے کہا کہ ایران کو آبنائے ہُرمز کھولنی چاہیے اور ایران کو مذاکرات کی میز پر واپس آنا چاہیے، ایران کے وزیر خارجہ عباس عراقچی نے کہا کہ ایران ایٹمی

پاکستان نے سندور میں اتنی گہرائی اور تکنیکی مہارت سے تندور بنایا ہے کہ بھارت کی ذراسی غلطی سے وہ اس تندور کو اب اپنی مرضی سے جتنا چاہے گہرا اور وسیع کر سکتا ہے، اور بھارت جتنا اس ’’تندور‘‘ میں جھانکے گا وہ اتنا ہی خوف محسوس کرے گا، بھارت کو چاہیے کہ وہ اس رسوائی، سفارتی تنہائی اور عالمی سطح پر جگ ہنسائی سے باہر نکلے اور اقوام متحدہ اور عالمی برادری کے سامنے کیے گئے اپنے وعدوں کی پاسداری کرے، تاکہ خطے میں دیگر تنازعات کے ساتھ ساتھ پاک بھارت تنازع کی اصل وجہ کشمیر کا تنازع بھی حل ہو سکے، اور جنوبی ایشیاء کے ممالک بھی دنیا کے ساتھ مل کر ترقی وخوشحالی کی منزل پاسکیں۔

ہتھیار چاہتا ہے نہ آبنائے ہرمز بند رکھنا چاہتا ہے لیکن ہم امریکہ پر اعتبار نہیں کر سکتے، انہوں نے کہا کہ افزودہ یورینیم پر روس کی پیشکش کے شکر گزار ہیں، لیکن ابھی اسے کسی دوسرے ملک منتقل

وہ باوفا بھی چلا گیا۔۔۔۔سجاد احمدؒ

فاروق قیصر

29اپریل کی شام ایک بے چینی سے بھرپور پیغام موصول ہوا''مجاہد سجاد جماعتی'' کو خون کی اشد ضرورت ہے اور وہ راولپنڈی کے ایک ہسپتال میں زیرِعلاج ہیں۔دل دھک سے رہ گیا۔کچھ ہی دیر بعد خبر آئی کہ خون کا انتظام ہو چکا ہے، اور ساتھ ہی یہ تسلی بھی دی گئی کہ ان شاء اللہ حالات بہتری کی طرف بڑھ رہے ہیں۔مگر دل کی بے قراری کم نہ ہوسکی۔وہ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ گئی۔ ہر لمحہ ایک انجانے خدشے کے ساتھ گزرا,30اپریل2026ء کی صبح ہوتے ہی میں اپنے ایک ساتھی محمد ارسلان کے ہمراہ ہسپتال پہنچا۔وہاں موجود احباب نے بتایا کہ حالت گزشتہ روز کی نسبت کچھ بہتر ہے۔یہ سن کر دل کو تھوڑی ڈھارس ملی۔ہمیں دیکھ کر سجاد بھائی نے وہاں موجود دیگر دو ساتھیوں کو لیٹے لیٹے ہی ان کا شکریہ ادا کرنے کے بعد خوشی سے انہیں رخصت کیا،انہوں نے ہی سجاد بھائی کی طبیعت بگڑ جانے کے بعد ایمرجنسی حالت میں مانسہرہ سے راولپنڈی ہسپتال پہنچایا تھا،،گویا کچھ لمحے وہ ہمارے ساتھ گزارنا چاہتے ہوں۔ہم ان کے قریب بیٹھ گئے۔ چہرے پر کمزوری کے آثار تھے،مگر آنکھوں میں عجب سی طمانیت جھلک رہی تھی۔سینے میں جما ریشہ انہیں تکلیف دے رہا تھا اور بات کرنا مشکل ہو رہا تھا، مگر اس کے باوجود وہ دھیمی آواز میں مسلسل ہم سے باتیں کرتے رہے۔کچھ چیزیں اشاروں میں سمجھاتے رہے۔ایک موقع پر انہوں نے نہایت سکون سے کہا''موت کی رگ اسی دن کاٹ دی تھی جب میدان کارزار میں جہاد کے لئے اترا تھا۔اب جو بھی اللہ کو منظور رہے، مجھے قبول ہے۔''یہ جملہ سن کر دل جیسے تھم سا گیا۔ان کے لہجے میں نہ کوئی خوف تھا،نہ بے چینی صرف رضا اور تسلیم۔گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گزرنے کے بعد انہوں نے قہوے کی فرمائش کی۔ہم فوراً ہسپتال کی کینٹین سے قہوہ لے آئے۔انہوں نے آہستہ آہستہ، مگر شوق سے قہوہ پیا۔ان کے انداز میں ایک عجیب سی طمانیت تھی، جیسے وہ ہر لمحے کو شعوری طور پر جی رہے ہوں۔قہوہ پینے کے بعد انہوں نے کہا کہ اب وہ تکیے سے ٹیک لگا کر آرام کرنا چاہتے ہیں۔ہم نے نہایت احتیاط سے انہیں سہارا دے کر لٹا دیا۔کچھ ہی لمحوں بعد ان کی سانسوں کی وہ بھاری آوازیں مسلسل آرہی تھیں مدھم پڑنے لگیں اور سانس قدرے ہموار محسوس ہونے لگا۔میں نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا:''لگتا ہے اب انہیں سکون مل گیا ہے''۔اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ہم دونوں نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ شاید اب تکلیف کم ہو رہی ہے۔مگر اسی سکون کے عالم میں اچانک ایک لمحہ آیا جب میں نے ان کی آنکھوں کو چھت کی جانب جمی ہوئی دیکھا۔وہ نظر عام نہ تھی اس میں ایک عجیب سی گہرائی تھی، جیسے وہ کسی اور منظر کو دیکھ رہے ہوں، کسی اور جہان کی طرف متوجہ ہوں۔دل میں ایک انجانا خوف جاگا۔ہم نے فوراً ڈاکٹر کو بلایا۔ ہوش میں لانے کی کوششیں کی گئیں، مگر سب کچھ چند لمحوں میں بدل چکا تھا۔

روح اپنے رب کے حضور پرواز کر چکی تھی۔وقت مقرر ہو چکا تھا۔یقین کرنا دشوار تھا، مگر حقیقت بالکل واضح تھی سجاد بھائی اب ہمارے درمیان نہیں رہے تھے۔وہ اس فانی دنیا سے رخصت ہو کر اپنی ابدی منزل کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ہسپتال کی ضروری کارروائی مکمل ہونے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد میت ہمارے حوالے کی گئی۔ ہم چند ساتھیوں کے ہمراہ ان کے آبائی علاقے مانسہرہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر ان کی میت گھر کے صحن میں آخری دیدار کے لیے رکھی گئی۔یہ نہایت صبر آزما لمحات تھے۔اہلِ خانہ نے قابل رشک ضبط و حوصلے کا مظاہرہ کیا۔تاہم ان کے معصوم بچوں کے لیے یہ لمحات قیامتِ صغریٰ سے کم نہ تھے۔دونوں بچے گھر سے لے کر جنازہ گاہ تک اپنے والد کی میت کے ساتھ روتے رہے۔نمازِ جنازہ کے دوران بھی وہ اپنے والد کے جسدِ خاکی سے لپٹ کر سسکیاں بھرتے رہے۔ان کی آہوں اور سسکیوں کی آوازیں حاضرین کے دلوں کو چیرتی محسوس ہوتی تھیں۔رات ساڑھے

ایک موقع پر انہوں نے نہایت سکون سے کہا''موت کی رگ اسی دن کاٹ دی تھی جب میدان کارزار میں جہاد کے لئے اترا تھا۔اب جو بھی اللہ کو منظور رہے، مجھے قبول ہے۔''یہ جملہ سن کر دل جیسے تھم سا گیا۔ان کے لہجے میں نہ کوئی خوف تھا، نہ بے چینی صرف رضا اور تسلیم۔گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گزرنے کے بعد انہوں نے قہوے کی فرمائش کی۔ہم فوراً ہسپتال کی کینٹین سے قہوہ لے آئے۔انہوں نے آہستہ آہستہ، مگر شوق سے قہوہ پیا۔ان کے انداز میں ایک عجیب سی طمانیت تھی، جیسے وہ ہر لمحے کو شعوری طور پر جی رہے ہوں

دس بجے نمازِ جنازہ ادا کی گئی جس میں بڑی تعداد میں مقامی لوگوں اور مجاہدین نے شرکت کی۔اس موقع پر قاری مصعب الحق نے مرحوم کی جہادی زندگی پر روشنی ڈالی اور انہیں زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا۔

سجاد بھائی کا اصل نام محمد مقبول شیخ تھا، مردم خیز علاقے پلہالن میں علی محمد شیخ کے گھر میں 2 جولائی 1972 میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان ایک باوقار زمیندار اور دینی گھرانے کے طور پر جانا جاتا تھا۔علاقے میں جماعت اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ اور عوامی اثر و رسوخ مضبوط تھا۔یہی وجہ تھی سجاد بھائی کی نظریاتی تربیت اسلامی تحریک کے اصولوں پر ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے ہی گاؤں میں موجود جماعت اسلامی کے زیر انتظام چلنے والے'' اسلامی

> سجاد بھائی کا اصل نام محمد مقبول شیخ تھا، مردم خیز علاقے پلہالن میں علی محمد شیخ کے گھر میں 2 جولائی 1972 میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان ایک باوقار زمیندار اور دینی گھرانے کے طور پر جانا جاتا تھا۔ علاقے میں جماعت اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ اور عوامی اثر و رسوخ مضبوط تھا۔ یہی وجہ تھی سجاد بھائی کی نظریاتی تربیت اسلامی تحریک کے اصولوں پر ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے ہی گاؤں میں موجود جماعت اسلامی کے زیر انتظام چلنے والے ”اسلامی ماڈل سکول پلہالن“ سے حاصل کی۔ یہاں دینی اور عصری دونوں علوم سے آراستہ ہوتے

ماڈل سکول پلہالن“ سے حاصل کی۔ یہاں دینی اور عصری دونوں علوم سے آراستہ ہوئے۔ مڈل تک جماعت کے درس گاہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد پلہالن ہائی سکول میں میٹرک کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ جماعت اسلامی کے آغوش میں تربیت پانے کے باعث ان کے اندر شعور کی پختگی اور نظریاتی وابستگی کم عمری ہی میں نمایاں ہو چکی تھی۔ جماعت کے اجتماعات اور پروگراموں میں انہیں نعتِ رسول ﷺ یا علامہ اقبالؒ کی نظمیں پڑھنے کے لیے خصوصی طور پر منتخب کیا جاتا تھا۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ چھٹی جماعت کے طالب علم کی حیثیت سے انہوں نے ایک پروگرام میں علامہ اقبالؒ کی نظم ”یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے“ اجتماعی انداز میں پڑھی، جسے حاضرین نے بے حد سراہا۔ جماعت اسلامی کے نصب العین سے والہانہ محبت ان کی رگوں میں رچی بسی تھی۔ اسی وابستگی کے باعث سکول کے ساتھی انہیں محبت سے ”جماعتی“ کہہ کر پکارتے تھے، اور یہی لقب ان کی مستقل پہچان بن گیا۔ نوجوانی ہی میں انہوں نے اسلامی تحریک کے اکابر سے فکری فیض حاصل کیا۔ وہ مولانا مودودیؒ کا لٹریچر باقاعدگی سے پڑھتے تھے، جس نے ان کے فکر و شعور کو مزید جلا بخشی۔

1990ء میں جب مقبوضہ کشمیر میں بھارتی افواج کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز ہوا تو انہوں نے علاقے کے ذمہ داران سے بیس کیمپ جانے کی اجازت طلب کی۔ اس زمانے میں تنظیموں میں شمولیت آسان نہ تھی، خصوصاً حزب المجاہدین باقاعدہ انتخاب اور جانچ کے بعد ہی افراد کو شامل کرتی تھی۔ چار سال انتظار کے بعد 1994ء میں انہیں آزاد کشمیر کے بیس کیمپ جانے کی اجازت ملی اور انہوں نے عملی طور پر تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔ سخت اور صبر آزما مراحل سے گزر کر وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سرحدی پٹی عبور کرنے میں کامیاب ہوئے۔ بیس کیمپ میں فرصت کے لمحات میں جہادی لٹریچر اور مولانا مودودیؒ کی متعدد کتب کا مطالعہ کیا اور مجاہدین کی فکری تربیت میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ انہیں سننے والے گواہی دیتے ہیں کہ وہ نہایت سادہ اور مؤثر انداز میں بات سمجھانے کا فن جانتے تھے۔

1997ء میں تنظیمی حکم پر لبیک کہتے ہوئے وہ ایک پرخطر سفر کے بعد میدانِ عمل میں پہنچ گئے۔ یہ دور سخت آزمائشوں کا دور تھا۔ بھارت نواز ملیشیا ”اخوان“ جماعت کے کارکنوں اور ان کے حامیوں کو نشانہ بنا رہی تھی، جبکہ مجاہدین پر بھی مسلسل دباؤ بڑھ رہا تھا۔ ان کے خاندان کو بھی اس ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے راہِ وفا میں آنے والی ہر آندھی اور طوفان کا ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور ہر آزمائش میں جرأت و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ پانچ برس تک وہ دشمن کے خلاف سرگرم رہے اور متعدد کارروائیوں میں حصہ لیا۔ پلہالن گھاٹ کے گھنے بید کے جنگل میں قائم ایک خفیہ ٹھکانے پر ایک مرتبہ وہ کمانڈر شاکر غزنویؒ کے ساتھ بھارتی فوج کے محاصرے میں پھنس گئے۔ دن بھر شدید مارٹر شیلنگ ہوتی رہی، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام مجاہدین محفوظ رہے۔ ایک موقع پر بھارتی فوج کے مسلسل تعاقب کے باعث وہ کئی ہفتے اسی پناہ گاہ میں مقیم رہے۔ اس جنگل کے بیچوں بیچ ایک دریا بہتا ہے جسے ہم علاقائی زبان میں ”ویتھ“ کہتے ہیں، چونکہ وہاں ہر وقت بھارتی فوجی پہرے پر ہوتے تھے اور گشت کرتے رہتے تھے اس لئے دریا کا پانی استعمال کرنا خطرے کو دعوت دینے کے مترادف تھا وہاں موجود گڑھوں میں جمع پانی ہی پورے گروپ کی ضرورت پوری کرتا تھا۔ یہی غیر معیاری پانی بعد میں ان کی ناک کی شدید الرجی کا سبب بنا، جس کے نتیجے میں ناک اور ایک آنکھ سے مسلسل پانی بہتا رہتا تھا۔ جب بیماری شدت اختیار کرگئی تو کمانڈر شاکر غزنویؒ نے انہیں 2001ء میں علاج کی غرض سے بیس کیمپ روانہ کیا۔ علاج کے ساتھ ساتھ انہوں نے مجاہدین کی فکری تربیت کا سلسلہ جاری رکھا، جوان کی زندگی کا نہایت روشن باب ہے۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ ٹیومر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہیں، جو ناک سے شروع ہو کر دماغ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کامیاب آپریشن کے بعد وہ صحت یاب ہو گئے۔ تاہم تقریباً بیس سال بعد یہی بیماری دوبارہ ظاہر ہوئی۔ اس مرتبہ راولپنڈی میں علاج جاری رہا، مگر یہی مرض بالآخر ان کی وفات کا سبب بنا۔ اس بیماری کے عرصے کے دوران ہی مقبوضہ کشمیر میں بھارتی بدنام ایجنسی ”این آئی اے“ نے بھارتی فوج کے ہمراہ ایک ظالمانہ کارروائی کے دوران آپ کی پانچ کنال پر مشتمل اراضی بھی ضبط کر دی۔ یوں انہوں نے اپنی زندگی کی طرح اپنا مال بھی اپنے نظریے کی راہ میں قربان کر دیا۔ سجاد بھائی ایک مخلص، باوقار اور صاحبِ کردار انسان تھے۔ وہ محض ایک نام نہیں بلکہ ایک نظریاتی شخصیت تھے۔ ان کی زندگی سادگی، استقامت اور اصول پسندی کا حسین امتزاج تھی۔ آپ کے نزدیک اصل کامیابی اپنے نظریے پر سچے رہنے اور اسے عملی زندگی میں ثابت کرنے میں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ساتھی، دوست اور جاننے والے سب عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ اپنے پیچھے ایک روشن مثال چھوڑ گئے۔ آپ کی زندگی اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ جب انسان کسی نظریے سے سچی محبت کرے تو وہ خود بھی امر ہو جاتا ہے اور اپنی یادوں کو بھی زندہ رکھتا ہے۔ ان کے ساتھ گزارے گئے لمحات یادوں کی صورت صرف دل میں ہی نہیں بلکہ تاریخ کے اوراق میں بھی محفوظ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔

جماعت اسلامی کے نصب العین سے والہانہ محبت ان کی رگوں میں رچی بسی تھی۔ اسی وابستگی کے باعث سکول کے ساتھی انہیں محبت سے ”جماعتی“ کہہ کر پکارتے تھے، اور یہی لقب ان کی مستقل پہچان بن گیا۔ نوجوانی ہی میں انہوں نے اسلامی تحریک کے اکابر سے فکری فیض حاصل کیا۔ وہ مولانا مودودیؒ کا لٹریچر باقاعدگی سے پڑھتے تھے، جس نے ان کے فکر و شعور کو مزید جلا بخشی۔

شہید عبداللہ بنگرو۔۔۔عزم، ایثار اور حریت کا درخشاں استعارہ

عبدالرشید ڈار

تاریخِ انسانی گواہ ہے کہ حق اور باطل کی کشمکش ہر دور میں جاری رہی ہے۔ جب بھی ظلم، جبر اور استبداد نے انسانوں کے ضمیر کو غلام بنانے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے ایسے مردانِ حق کو جنم دیا جنہوں نے اپنی جانوں، مال و متاع اور آرام و آسائش کو قربان کر کے حق کا علم بلند رکھا۔ ان نفوسِ قدسیہ کی زندگیاں اس حقیقت کی روشن دلیل ہیں کہ ایمان جب دل کی گہرائیوں میں اتر جائے تو دنیا کی کوئی طاقت انسان کو اپنے مقصد سے ہٹا نہیں سکتی۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں اسی جذبہ ایثار و قربانی کا عملی نمونہ ہیں۔ انہوں نے دین اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے گھروں، قبیلوں اور آبائی علاقوں کو چھوڑا، ہجرت کی صعوبتیں برداشت کیں اور برسوں اپنے عزیز و اقارب سے دور رہے۔ ان کے سامنے دنیاوی منفعت نہیں بلکہ رضائے الٰہی اور آخرت کی کامیابی تھی۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے انہیں تاریخ کا عظیم ترین قافلہ بنا دیا۔ کشمیر کی تحریکِ آزادی میں بھی ایسے بے شمار کردار سامنے آئے جنہوں نے اپنے خون سے تاریخ رقم کی۔ انہی درخشاں ستاروں میں ایک نام شہید محمد عبداللہ بنگروؒ المعروف خالد الاسلام کا ہے، جنہیں کشمیر کی مسلح مزاحمتی تاریخ کے اولین معماروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ صرف ایک جنگجو نہیں تھے بلکہ ایک نظریاتی کارکن، دین سے گہرا تعلق رکھنے والے نوجوان اور آزادی کے لیے بے مثال قربانی پیش کرنے والے مجاہد تھے۔

عبداللہ بنگروؒ کا شمار ان تین کشمیری نوجوانوں میں ہوتا ہے جنہوں نے مسلح جدو جہد کا عملی آغاز کیا۔ جب کشمیر کی سیاسی جدو جہد کو دیوار سے لگانے کی کوشش کی گئی اور عوامی امنگوں کو طاقت کے زور پر دبایا گیا تو بعض نوجوانوں نے یہ محسوس کیا کہ اب اپنے حق کے لیے ایک نئے راستے کا انتخاب ناگزیر ہو چکا ہے۔ عبداللہ بنگرو انہی نوجوانوں میں شامل تھے جنہوں نے حالات کی سنگینی کو سمجھتے ہوئے اپنی زندگی کو ایک بڑے مقصد کے لیے وقف کر دیا۔ ان کی شخصیت میں غیر معمولی جرات، عزم اور استقلال پایا جاتا تھا۔ ساتھیوں کے مطابق وہ خطرے کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ انتہائی کٹھن حالات میں بھی ان کے چہرے پر اطمینان اور اعتماد نمایاں رہتا تھا۔ ان کے نزدیک کامیابی یا ناکامی کا معیار دنیاوی نتائج نہیں بلکہ مقصد کی سچائی تھی۔ 18 اگست 1988ء کشمیر کی تحریکِ آزادی کی تاریخ میں ایک اہم دن کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ اسی روز عبداللہ بنگرو، کمانڈر مقبول علائی شہید اور اعجاز احمد ڈار شہید نے ریاستی پولیس کے سربراہ وٹالی کو نشانہ بنانے کا منصوبہ بنایا۔ یہ کارروائی دراصل اس مزاحمتی تحریک کا ابتدائی مرحلہ تھی جو بعد ازاں پورے خطے میں پھیل گئی۔ تاہم منصوبے کی اطلاع پہلے ہی مخالفین تک پہنچ چکی تھی۔ جونہی نوجوان کارروائی کے لیے پہنچے، ان پر شدید فائرنگ کی گئی۔ اس جھڑپ میں اعجاز احمد ڈار شہید ہو گئے جبکہ مقبول علائی شدید زخمی ہوئے۔ یہ واقعہ عبداللہ بنگرو کے لیے انتہائی صدمہ انگیز تھا۔ وہ اپنے ساتھی کی شہادت سے رنجیدہ ضرور ہوئے لیکن حوصلہ ہارنے کے بجائے مزید ثابت قدم ہو گئے۔ اگلی ہی رات انہوں نے اپنے رفقا کے ساتھ

بھارتی فوج کے ایک اہم مرکز پر حملہ کیا۔ اس کارروائی نے قابض قوتوں کو واضح پیغام دیا کہ کشمیری نوجوان خوف کے سائے سے نکل کر مزاحمت کے نئے مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ عبداللہ بنگروؒ کی زندگی کا ایک اہم پہلو ان کی دینی وابستگی تھی۔ بچپن ہی سے نماز اور روزے کے پابند تھے۔ دین کی تعلیم حاصل کرنے کا بے حد شوق رکھتے تھے۔ ان کے قریبی ساتھیوں کے مطابق وہ اکثر قرآن مجید کے مطالعے اور دینی موضوعات پر گفتگو میں مصروف رہتے۔ ان کی شخصیت میں ایک طرف مجاہدانہ جرأت تھی تو دوسری طرف روحانی گہرائی اور دینی شعور بھی نمایاں تھا۔ دسویں جماعت میں نمایاں کامیابی کے بعد انہوں نے مزید رسمی تعلیم جاری رکھنے کی کوشش کی لیکن بعض اصولی معاملات پر سمجھوتہ نہ کرنے کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اس کے بعد انہوں نے دینی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دی۔ کچھ عرصہ تدریس سے وابستہ رہے لیکن ان کا دل قوم وملت کے حالات سے بے چین رہتا تھا۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ ان کی زندگی کا مقصد صرف ذاتی کامیابی نہیں بلکہ ایک بڑے اجتماعی نصب العین کی تکمیل ہے۔ 1987ء کے انتخابات کشمیر کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم موڑ ثابت ہوئے۔ ان انتخابات میں مسلم متحدہ محاذ نے عوامی سطح پر غیر معمولی حمایت حاصل کی، لیکن نتائج کے حوالے سے پیدا ہونے والے تنازعات نے نوجوان نسل میں شدید بے چینی پیدا کی۔ عبداللہ بنگروؒ بھی اس سیاسی جدوجہد کا حصہ تھے۔ انتخابی مہم کے دوران انہیں اور ان کے متعدد ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ جیل کی کوٹھڑیوں میں انہوں نے حالات کا گہرا جائزہ لیا اور مستقبل کے لائحۂ عمل پر غور کیا۔

بعد ازاں رہائی کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ عسکری تربیت حاصل کی۔ افغانستان کے محاذ پر بھی انہیں عملی تجربہ حاصل ہوا جہاں انہوں نے جنگی حکمتِ عملی اور عسکری نظم وضبط کو قریب سے دیکھا۔ ان تجربات نے ان کی صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا کیا اور وہ ایک منظم قائد کے طور پر ابھرنے لگے۔ صرف 23 برس کی عمر میں انہیں حزب المجاہدین کا ڈپٹی کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ اتنی کم عمر میں اتنی بڑی ذمہ داری ملنا ان کی قائدانہ صلاحیتوں، جرات اور تنظیمی مہارت کا واضح ثبوت تھا۔ ان کے رفقا کا کہنا تھا کہ عبداللہ بنگرو نہ صرف محاذ پر بے مثال بہادری دکھاتے تھے بلکہ اپنے ساتھیوں کی تربیت، حوصلہ افزائی اور رہنمائی میں بھی نمایاں کردار ادا کرتے تھے۔ شہادت سے قبل ان کی زندگی مسلسل جدوجہد، نقل وحرکت اور قربانیوں سے عبارت تھی۔ وہ جانتے تھے کہ انہوں نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے اس کا انجام شہادت بھی ہوسکتا ہے، لیکن اس حقیقت نے انہیں کبھی خوفزدہ نہیں کیا۔ ان کے نزدیک اصل کامیابی اپنے مقصد سے وفاداری تھی۔ 18 جون 1990ء کو ان کی زندگی کا آخری دن ثابت ہوا۔ ایک مخفی مقام پر موجودگی کے دوران بھارتی فوج نے علاقے کا محاصرہ کر لیا۔ فوجی تعداد میں بہت زیادہ تھے جبکہ عبداللہ بنگروؒ کے پاس محدود اسلحہ تھا۔ انہیں ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کی گئی، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے آخری سانس تک مزاحمت کا راستہ اختیار کیا۔

روایات کے مطابق شدید زخمی ہونے کے باوجود ان کا حوصلہ بلند تھا۔ جب انہوں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس پر مخبری کا شبہ تھا تو اپنی آخری قوت مجتمع کر کے اس کی طرف فائر کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور یوں صرف چوبیس برس کی عمر میں شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز ہو گئے۔ ان کی شہادت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے کشمیر میں پھیل گئی۔ ہزاروں افراد ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ مختلف تنظیموں اور طبقات نے انہیں اپنے انداز میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ کسی نے انہیں ”مجاہدِ اسلام“ کہا، کسی نے ”عظیم جرنیل“ اور کسی نے ”تحریک کا بانی سپاہی“ قرار دیا۔ شہید عبداللہ بنگروؒ کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ نظریات کی قوت انسان کو غیر معمولی بنا دیتی ہے۔ مختصر عمر کے باوجود انہوں نے جو اثرات چھوڑے، وہ کئی دہائیوں بعد بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ ان کا نام کشمیر کی تحریکِ آزادی کی تاریخ میں ہمیشہ ایک ایسے نوجوان کے طور پر زندہ رہے گا جس نے اپنی جوانی، آسائشیں اور مستقبل ایک مقصد کے لیے قربان کر دیا۔ آج جب ہم ان کی جدوجہد کو یاد کرتے ہیں تو یہ احساس مزید گہرا ہوتا ہے کہ قوموں کی تاریخ صرف سیاسی واقعات سے نہیں بنتی بلکہ ان افراد کی قربانیوں سے تشکیل پاتی ہے جو اپنے نظریات کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ عبداللہ بنگروؒ انہی شخصیات میں سے ایک تھے جنہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ ایمان، عزم اور قربانی کا راستہ کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔

اللہ تعالیٰ شہید عبداللہ بنگروؒ اور تحریکِ آزادی کے تمام شہداء کے درجات بلند فرمائے اور ان کی قربانیوں کو قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

جرأت واستقامت کا پیکر۔۔۔سجاد جماعتیؒ

اویس بلال

بروز جمعرات ماہِ اپریل 2026 کی 30 تاریخ کو ایک ایسی خبر نے دلوں کو غمگین کر دیا کہ وادیٔ کشمیر کے معروف علاقے پٹن پلہالن کے ایک باہمت، باکردار اور بااخلاق فرزند حزب

المجاہدین کے معروف مجاہد کمانڈر ”سجاد جماعتیؒ“ اس فانی دنیا کو خیرباد کہہ گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔وہ ایک اسلامی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور تحریکِ آزادیٔ کشمیر کے ان گمنام مگر عظیم سپاہیوں میں شامل تھے جنہوں نے ظلم کے اندھیروں میں بھی حق کا چراغ جلائے رکھا۔جب تحریکِ آزادیٔ کشمیر کا آغاز ہوا اور بھارتی افواج کے مظالم نے کشمیری عوام کی زندگی اجیرن بنا دی، اس وقت سجاد جماعتی جیسے بہادر جوانوں نے میدانِ عمل میں قدم رکھا۔انہوں نے نہ صرف جرأت واستقامت کا مظاہرہ کیا بلکہ دشمنانِ دین کے سامنے ثابت قدمی کی ایسی مثال قائم کی کہ خود دشمن بھی ان کی حکمتِ عملی اور عزم کا اعتراف کرنے پر مجبور رہا۔مرحوم ایک عرصہ تک ہجرت کی زندگی گزارتے رہے۔ اپنے وطن، ماں باپ، بہن بھائیوں اور عزیز واقارب سے دور رہنا کوئی آسان کام نہیں، مگر یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو کسی بڑے مقصد کے لیے اپنی ہر خوشی قربان کر دیتے ہیں۔قرآنِ کریم میں ہجرت کرنے والوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ:”جو لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کرتے ہیں، پھر قتل کر دیے جائیں یا وفات پا جائیں، اللہ انہیں بہترین رزق عطا فرمائے گا“یہی وہ بشارت ہے جو ایسے لوگوں کے مقام کو بلند کرتی ہے۔موصوف ایک موذی بیماری میں مبتلا رہے، مگر صبر ورضا کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔شدید تکلیف کے باوجود ان کا اخلاق، ان کا نرم لہجہ اور لوگوں سے حسنِ سلوک ہمیشہ قائم رہا۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حقیقی معنوں میں قرآن وسنت کے عملی پیکر تھے۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مومن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔سجاد جماعتی سے جب بھی ملاقات ہوتی، وہ اپنی بیماری کے باوجود نہایت حوصلے اور مسکراہٹ کے ساتھ ملتے اور اپنے لیے صحت یابی کی دعا کی درخواست کرتے۔ان کی ملنساری، اخلاص اور حوصلہ مندی ہر ملنے والے کے دل پر گہرا اثر چھوڑتی تھی۔وہ ایک ایسے مجاہد

قرآنِ کریم میں ہجرت کرنے والوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ:”جو لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کرتے ہیں، پھر قتل کر دیے جائیں یا وفات پا جائیں، اللہ انہیں بہترین رزق عطا فرمائے گا“یہی وہ بشارت ہے جو ایسے لوگوں کے مقام کو بلند کرتی ہے۔موصوف ایک موذی بیماری میں مبتلا رہے، مگر صبر ورضا کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔شدید تکلیف کے باوجود ان کا اخلاق، ان کا نرم لہجہ اور لوگوں سے حسنِ سلوک ہمیشہ قائم رہا۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حقیقی معنوں میں قرآن وسنت کے عملی پیکر تھے

تھے جنہوں نے زندگی کے آخری لمحات تک صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور ہر آزمائش کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔بالآخر وہ ایک موذی بیماری کے باعث اس فانی دنیا سے رخصت ہو گئے، مگر ان کی جدوجہد، قربانیاں، یادیں اور باتیں ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گی۔ان کی زندگی ہمارے لیے صبر، استقامت اور مقصد سے وفاداری کی روشن مثال ہے۔یقیناً مرحوم کی یہ بیماری ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنے گی۔وہ ایک ایسے مسافر تھے جنہوں نے اپنے وطن کی محبت میں سب کچھ چھوڑ دیا، اور ایک ایسی راہ اختیار کی جہاں واپسی کا امکان کم مگر اجر بے حساب ہوتا ہے۔ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے خاص بندوں میں جگہ عطا فرمائے گا اور ان شاء اللہ وہ جنت کے بالاخانوں میں شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

وطن کی خاطر چھوڑا تھا ہر ایک اپنا سہارا
تنہا ہی چل پڑا تھا وہ بن کے حق کا ستارا
ماں کی دعا بھی ساتھ تھی، آنکھوں میں ایک خواب
ظلمت میں روشنی بنا، حق کا رہا جواب
رشتے سبھی قریب تھے، مگر تھی یہ مجبوری
دشمن کی نظر میں تھا، اس کی ہر ایک دوری
ہجرت کی راہ چن لی، صبر کو اوڑھ لیا
دکھ سہہ کے بھی اس نے، حوصلہ نہ چھوڑ دیا

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے، اور پسماندگان کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے۔آمین۔

دو دوست دو مجاہد دو شہید

حماد شاہین

نہ لے چل خانقاہوں کی طرف شیخ حرم مجھ کو
مجاہد کا تو مستقبل ہے میدانوں سے وابستہ
یہ راستہ لاکھ مشکل صحیح مگر اے دشمنوں سن لو
یہ جذبہ عشق مستی کا ہمیں رکنے نہیں دیتا
اے شہیدو تمہارا یہ احسان ہے
آج ہم سر اٹھانے کے قابل ہوئے

واہ عبدالمجید شاہین شہید اور خواجہ تنویر شہید تم دونوں کے مقدس لہو سے ایک بار پھر تحریک آزادی کشمیر کو تقویت مل گئی ہے اور ایک بار پھر اس مقدس خون کی بدولت بھارت پر لرزہ طاری ہے آج جن دو شہیدوں کا میں تذکرہ لکھنے کی جسارت کرنے جا رہا ہوں یہ دونوں شہید 30 مئی 2010ء کو حمام مرکوٹ رفیع آباد بارہمولہ مقبوضہ جموں وکشمیر میں رتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے جب بھی ان شہیدوں کے بارے میں کچھ بھی لکھنے کی کوشش کرتا ہوں ابھی آغاز ہی ہوتا ہے، تو ان شہیدوں کی یاد سے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ ان کی زندگی کے گزرے ہوئے ایام کو یاد کر کے میرے اوپر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں کہ میں سوچتا ہوں کہ اے میرے خدا تیری شان بھی کیا خوب ہے تو نے انسانوں کی شکل میں بھی فرشتے پیدا کیے ہوئے ہیں، جو اس دنیا کے لیے صرف 15 سے 25 سال کے درمیان کی زندگی لے کر آتے ہیں اور پھر دنیا میں اس طرح جیتے ہیں کہ جیسے ان کو اللہ نے بتا دیا ہو کہ تم لوگوں کی بہت ہی کم زندگی یہاں گزرنی ہے اور پھر تمہیں شہادت جیسی عظیم دولت ملے گی۔ جو عرصہ گزارا تو وہ بھی دین کے علمبردار بن کر۔ میں اپنے بھائی عبدالمجید شاہین شہید کے ساتھ ساتھ عبدالمجید شاہین کے دوست خواجہ تنویر شہید کا ذکر نہ کروں تو یہ عبدالمجید شہید اور تنویر شہید دونوں کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ ان دونوں کو ہم کسی بھی جگہ تنہا نہیں کر سکتے اور ہم ہوتے بھی کون ہیں ان کو جدا کرنے والے وہ دنیا کی چند روزہ زندگی میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہے اور جب اس دنیا سے جانے کا وقت آیا تو بھی ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑا اور پرندوں کی طرح ہواؤں کے جھونکوں کی طرح ہندوستان کے زیر تسلط مقبوضہ جموں وکشمیر کے ضلع بارہمولہ کے علاقے رفیع آباد پہنچ گئے اور اپنی جانوں کا نذرانہ ایک ساتھ پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ یہ جہادی جنون یہ جذبہ عشق ومستی ہمیں رکنے نہیں دیتا۔ اے میرے رب کیا خوب منظر ہوا ہوگا اس وقت جب عبدالمجید شاہین اور خواجہ تنویر نے تیری راہ میں سر کٹوائے ہوں گے اور کیا یہ خوب منظر ہوا ہوگا جب ان دونوں کی معرکہ آرائی ہوئی ہوگی، فرشتے زمین پر آئے ہوں گے حضرت عزرائیل علیہ السلام ان کی ارواح کے استقبال میں کھڑے ہوئے ہوں گے اور مجھے کامل یقین ہے کہ تو نے ضرور اپنے فرشتوں سے کہا ہوگا کہ دیکھو میرے معصوم مجاہد میرے معصوم فوجی میرے معصوم فوج کے سپہ سالار کس طرح میری رضا کی خاطر اپنی جانیں اور جوانیاں لڑا رہے ہیں۔ اے رب تو نے ضرور اعلان کیا ہوگا تو نے ضرور فرشتوں کو گواہ کر کے کہا ہوگا کہ میرے فرشتو گواہ رہنا یہ دونوں مجھ سے راضی تھے اور آج میں ان سے بھی راضی ہو گیا ہوں یقیناً ان دونوں شہیدوں نے بھی یہی کہا ہوگا

جان دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

میں تو کہتا ہوں خوش قسمت ہیں وہ دونوں جن کو ایسے عظیم اور متقی کمانڈرز ملے جنہوں نے دونوں کی عسکری تربیت کی میں تو یہ کہوں گا کہ خوش قسمت ہیں ان دونوں کے کمانڈرز بھی جن کو عبدالمجید شاہین اور خواجہ تنویر جیسے جانباز ملے، میرا رب، تیرا کیا خوب انداز محبت ہے کہ تو اپنے دین کے سربلندی کے لیے دنیا سے ایسے پھول چنتا ہے کہ ان پھولوں کی اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی خوشبو مہکتی ہے۔ اس دنیا میں مجھے کبھی کسی بات پر خوشی نہیں ہوئی پہلی بار میرے لیے وہ خوشی کا موقع تھا جب میں نے مقبوضہ کشمیر قدم رکھا اور اس سے بڑھ کر خوشی اس وقت ہوئی کہ جب میرے معصوم بھائی نے اپنی جان کا نظرانہ پیش کیا اور اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ وفا کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے خوشی یہ بھی تھی کہ جن دو اللہ کے شیروں نے ایک ساتھ جینے کی قسمیں کھائی تھیں انہوں نے ایک ساتھ اپنے جسموں کو گولیوں سے چھلنی کروایا اپنی گردنیں کٹوا کر اپنے ہاتھوں سے لکھے ہوئے اشعار کو حقیقت میں بدل ڈالا۔

جان راہ خدا میں دینے سے انکار نہیں
جو بھی اس میں جان بچائے اس کو خدا سے پیار نہیں
شہید عشق ہی واقف ہے اسرار محبت سے
وگرنہ کس کو آتا ہے سلیقہ سر کٹانے کا

قارئین کرام! اگر میں ان شہیدوں کی روداد زندگی لکھنا جاری رکھوں تو ان کی زندگی کے گزرے ہوئے ایک ایک منٹ کے لیے مجھے کئی دن لگ جائیں گے مگر ان کو خدا کی طرف سے عطا کردہ اوصاف ختم نہیں ہوں گی۔ ان دونوں معصوموں نے 25 گھنٹے کا طویل معرکہ لڑ کر یہ ثابت کر دیا کہ جو بھی اللہ کی راہ میں نکلتا ہے تو اللہ اس کی جان اور عمر نہیں دیکھتا اگر دیکھتا ہے تو صرف اخلاص کو، ان کے جواں ارادوں کو، میں تو کہتا ہوں کہ میں بہت ہی خوش نصیب ہوں کہ اس معرکے میں میرا ایک بھائی نہیں بلکہ دو بھائی شہید ہوئے ہیں ہاں خواجہ تنویر شہید بھی میرا بھائی تھا اکثر میرے پاس آتا اور کہتا ہے شاہین بھائی موٹر سائیکل دو میں کہتا کیا کرو گے موٹر سائیکل لے کر جواب دیتا شاہین بھائی میں اس سال شہید ہو جاؤں گا، دل کرتا ہے کہ خوب موٹر سائیکل چلاؤں جب اس کو موٹر سائیکل دے دیتا تو آہستہ آہستہ تھپڑ بھی مار دیتا، میں کہتا کہ شہید موٹر سائیکل سے گر کر نہیں ہونا اس لیے آہستہ چلانا مجھے کیا پتہ کہ کچھ عرصے بعد میرا معصوم بھائی اللہ کا مہمان بن جائے گا۔ اکثر جب بھی کسی شہید کا تذکرہ لکھا جاتا ہے تو سب سے پہلے اس کا تعارف لکھا جاتا ہے مگر قارئین کرام میں دونوں کی تربیت ہی ایسے لوگوں نے کی ہوئی تھی تو

واقعی بہت عظیم ہیں۔میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ کی عظمت کی قسم ہم سے زیادہ ان دونوں شہداء کے وارث وہ لوگ ہیں کیونکہ ان کو اللہ نے شہادت جیسا انعام دیا ہے۔ان لوگوں کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ مجھے تو یہ فکر ہے کہ اللہ نہ کرے کہ قیامت کے دن عبدالمجید شاہین شہید اور خواجہ تنویر شہید کہیں ہم سے نظریں نہ پھیر لیں اور کہیں ہم تو ان لوگوں کو اپنے ساتھ جنت میں لے کر جائیں گے۔جنہوں نے ہمیں جنت کے راستے پر چلایا میں دعا گو ہوں کہ قیامت والے دن ان دونوں شہداء ہمارے لیے شفاعت کا ذریعہ بنیں لانچنگ سے قبل اکثر عبدالمجید میرے پاس آتا اور کشمیر کی جنگی حالات کے بارے میں مجھ سے معلومات لیتا رہتا اور کبھی کہتا ہے کہ شاہین بھائی اگر گرفتاری کا چانس بن جائے تو کیا کرنا چاہیے۔وہ آخری ایام میں تو اکثر میرے گھر آتا اپنے بھتیجے حماس شاہین سے بہت پیار کرتا مجھے کیا، پتہ تھا کہ یہ اسے آخری پیار کر رہا ہے اس پیار کا حق انشاء اللہ ہندوستان سے اپنے بھائی کا بدلہ لے کر کیا جائے گا، ہم اپنے ہر شہید کا بدلہ لیں گے، عبدالمجید ہمیشہ شہادت کا متلاشی تھا۔شہادت کے لیے اس کی تڑپ اس مچھلی سے بھی زیادہ تھی جس کو پانی سے نکال کر خشکی پر رکھ دیا جائے۔ہم تمام بھائی بہت خوش قسمت ہیں کہ ہمیں اللہ نے ایسے والدین دیے جنہوں نے آج تک ہمیں کسی اچھے کام سے نہیں روکا، اچھے کام میں ہماری پشت پناہی کی جب میں نے مقبوضہ کشمیر جانے کا پروگرام بنایا تو اس وقت کھوئی رٹہ سیکٹر لانچنگ کے لیے مجھے چھوڑنے گئے اور عبدالمجید شاہین شہید کو خوشی سے اللہ کی راہ میں وقف کیا ہوا تھا۔ہر وقت دعا گو رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ والدین کو ایسی اولاد عطا فرمائے کہ جو عبدالمجید اور خواجہ تنویر کے راہی ہوں تمام والدین بھی خواجہ تنویر اور عبدالمجید کے والدین جیسے ہوں

،عبدالمجید نے جہاد کے ساتھ ساتھ مظفر آباد چہلہ میں دکان بھی بنا رکھی تھی، دکان گرلز ہائی سکول کے ساتھ تھی جب تفریح اور چھٹی ہوتو سکول کی بچیاں دکان پر آتیں تو اپنی نظریں جھکا لیتا۔ہر وقت یہ کہتا ہے کہ اللہ ہمیں محفوظ رکھے اور دین پر استقامت دے۔سکول کے باہر وہ اس طرح تھا کہ جیسے 32 دانتوں کے بیچ زبان محفوظ رہتی ہے، ٹھیک اسی طرح عبدالمجید بھی وہاں محفوظ تھا۔ ایک دن جب واپس گھر آیا تو چیخ چیخ کر امی اور بہنوں کو کہنے لگا کہ مجھے اس دکان کی وجہ سے اللہ جہنم میں نہ بھیج دے گھر والوں نے پوچھا کیوں تو کہنے لگا کہ دکان کے سامنے ایک گھر ہے وہاں کی ایک خاتون ڈبل روٹی کے لیے آئی تھیں، انہوں نے پوچھا کہ ڈبل روٹی تازہ ہے تو میں نے بول دیا کہ جی تازہ ہے، ڈبل روٹی بالکل ٹھیک تھی مگر آج نہیں بلکہ کل منگوائی تھی، یعنی جھوٹ بولا ڈبل روٹی خراب بھی نہیں تھی، صرف یہ تھا کہ یہ آج نہیں کل کی لائی گئی تھی۔اس بات سے اس عظیم شہید کی پاکیزگی پارسائی اور تقویٰ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ان دونوں کی شہادت کو 13 سال کا عرصہ بیت چکا ہے ہمیں صرف معمولی دکھ ہے کہ دونوں ہم سے جدا ہو گئے مگر شہادت کی خوشی آسمان کو چھوتی ہے۔ایک بات ہے کہ دونوں ہم سے بازی لے گئے اللہ کی قسم وہ جیت گئے ان کی جیت کا اعلان اللہ نے کیا ہوگا، ان کی چہلہ بانڈی میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنے کا قریب آیا تو آسمان بھی رو پڑا 10 منٹ تک ایسی بارش ہوئی کہ لگتا تھا کہ اب نماز جنازہ پڑھنی مشکل ہے مگر جب یہ پروگرام کا آغاز ہوا تو بارش تھم گئی۔جب پروگرام ختم ہوا تو لگتا تھا کہ عید کا سماں ہے ہر کوئی مبارک باد دے رہا تھا۔ایک کشمیری مجاہد میرے پاس آیا اور اس کی

آنکھیں نم تھیں خوشی سے اس نے مجھے گلے لگایا اور اس کی آنکھیں برس پڑیں زار و قطار رونے لگا میں نے کہا رونا نہیں بھائی مجھے جواب دیا شاہین بھائی آج رونے سے مت روکنا کیونکہ آج آسمان بھی خوب رویا ہے۔جب عبدالمجید شاہین شہید کے آبائی گاؤں (راجکوٹ) راجپیاں میں شہادت کانفرنس ہوئی تو وہاں پر بھی یہی کیفیت تھی کہ اچانک بہت تیز بارش ہو گئی، میں کہتا ہوں کہ عبدالمجید شہید خواجہ تنویر شہید کے والدین اہل و عیال رشتہ دار اہل علاقہ خوش نصیب ہیں کہ وہ شہید کے وارث ہیں میں اس تحریر کے توسط سے عبدالحق صاحب (شہید کے چچا) اخبار الحق صاحب (چچا) عزیز الحق صاحب (چچا) عارف صاحب (چچا) اور دیگر تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے شہید اور تنویر شہید سے والہانہ محبت کا اظہار کیا اور شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ان کے علاوہ گورنمنٹ ہائی سکول کے اساتذہ کو بھی مبارکباد پیش کرتا ہوں جو شروع دن سے تحریک آزادی کشمیر سے وابستہ ہیں۔سکول کے اساتذہ بھی اسی طرح شہیدوں کے وارث ہیں جس طرح شہیدوں کے والدین اہل و عیال و اقرباء اور مجاہدین، اللہ کا شکر ہے گورنمنٹ ہائی سکول راجپیاں مظفر آباد میں تعلیم حاصل کرنے والے نصف درجن کے قریب نوجوان شہید ہو چکے ہیں اور بعض میدان کارزار سے واپس غازی بن کر لوٹے کچھ اپنی باری کے منتظر ہیں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہداء کے درجات کو بلند فرمائے ان کی شہادتوں کے بدولت پوری امت مسلمہ کے حال پر رحم فرمائے اور مقبوضہ جموں وکشمیر کے غیور عوام کو آزادی جیسی نعمت سے ہمکنار فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

منصور الحق عزم، استقامت اور وفا کی داستان

صائم فاروقی

1999ء کا ایک یادگار منظر آج بھی بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں تازہ ہے۔ ایک وجیہہ اور پُرعزم نوجوان مجاہدین کے اجتماع میں سٹیج پر کھڑا تھا۔ اس نے پہلے رسول اکرمؐ کا ایک ارشادِ مبارک عربی متن میں سنایا، پھر نہایت مؤثر اور مدلل انداز میں اس کا مفہوم کشمیری زبان میں حاضرین کے سامنے بیان کیا۔ اس کی گفتگو میں اخلاص تھا، یقین تھا اور عمل کی حرارت تھی۔ وہ صرف زبان سے بات کرنے والا شخص نہیں تھا بلکہ جو کچھ کہتا تھا، اپنی زندگی میں اس کی عملی تصویر بھی پیش کرتا تھا۔ بعد کے برسوں میں اس نے اپنے خون سے اس عہد کی گواہی دی اور سرزمین کشمیر کی مٹی کو اپنے لہو سے رنگین کر کے وفا کی ایک نئی داستان رقم کر گیا۔ یہ عظیم مردِ مجاہد منصور الحق المعروف محمد اشرف خان تھے، جنہوں نے ضلع اسلام آباد (اننت ناگ) کے علاقے ٹنگپاوا ککر ناگ کے ایک دیندار گھرانے میں آنکھ کھولی۔ بچپن ہی سے منصور الحق کے مزاج میں سنجیدگی، عبادت گزاری اور دین سے وابستگی نمایاں تھی۔ جب انہوں نے شعور کی دہلیز پر قدم رکھا تو وادیٔ کشمیر میں قربانیوں اور شہادتوں کی خوشبو ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ نوجوان نسل آزادی اور حق کے حصول کے جذبے سے سرشار تھی۔ انہی حالات نے منصور الحق کے دل میں بھی ایک عظیم مقصد کے لیے جینے اور مرنے کا عزم پیدا کیا۔ چنانچہ کم عمری ہی میں انہوں نے اپنی زندگی کو ایک نصب العین کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ 1999ء میں وہ حزب المجاہدین کی صفوں میں شامل ہوئے اور عسکری تربیت کے لیے بیس کیمپ پہنچ گئے۔ منصور الحق کی پوری زندگی جہاد، ایثار اور مقصد سے وابستگی کا استعارہ تھی۔ وہ ہر وقت جہاد کے فضائل، اس کے تقاضوں اور اس کے لیے درکار علمی، فکری اور جسمانی تیاری میں مصروف رہتے۔

ان کے نزدیک ایک مجاہد کے لیے صرف ہتھیار اٹھانا کافی نہیں بلکہ علم، کردار، تقویٰ اور نظم وضبط بھی اتنے ہی ضروری ہیں۔ وہ انتہائی ملنسار، خوش اخلاق اور سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ جسمانی طور پر مضبوط، چست اور سخت جان نوجوان تھے۔ چھ برس تک مسلسل تربیت اور ریاضت کے مراحل سے گزرنے کے بعد وہ ہر اعتبار سے ایک منجھے ہوئے کارکن اور قائد کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ جہاد کی راہ میں آنے والی تکالیف، مصائب اور آزمائشوں کو انہوں نے دنیاوی آسائشوں پر ترجیح دے دی تھی۔ ان کے بلند حوصلوں کے سامنے برف پوش پہاڑ، دشوار گزار راستے اور سرحدی رکاوٹیں بھی بے معنی محسوس ہوتی تھیں۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

تمام خطرات اور دشواریوں کو عبور کرتے ہوئے وہ اپنے ساتھیوں سمیت وادیٔ کشمیر پہنچے اور عملی جدوجہد کا آغاز کیا۔ ان کی

عسکری صلاحیت، قائدانہ صلاحیتوں اور تنظیمی مہارت کو دیکھتے ہوئے انہیں ضلع اسلام آباد کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ انہوں نے نہایت مشکل حالات میں بھی اپنی ذمہ داری احسن انداز میں نبھائی۔ دوسری طرف بھارتی فوج کو ان کی سرگرمیوں کی اطلاع مل چکی تھی، جس کے بعد انہیں گرفتار کرنے کے لیے مسلسل چھاپے مارے جانے لگے۔ منصور الحق کئی مرتبہ دشمن کو چکمہ دینے میں کامیاب رہے، لیکن بالآخر 2006ء میں مخبروں کی مدد سے گرفتار کر لیے گئے۔

تمام تر دباؤ اور تشدد کے باوجود وہ اپنے ساتھیوں یا تنظیم سے متعلق کوئی راز افشا نہ کر سکے۔ بالآخر 2013ء میں انہیں رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد عام انسان شاید آرام اور سکون کی زندگی اختیار کرتا، لیکن منصور الحق نے ایک بار پھر وہی راستہ چنا جس کے لیے انہوں نے اپنی جوانی وقف کر رکھی تھی۔ وہ سیدھے اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ گئے اور دوبارہ سرگرم ہو گئے۔ یہی وہ دور تھا جب برہان مظفر وانی کی قیادت میں نئی نسل متحرک ہو رہی تھی اور سوشل میڈیا بھی جدوجہد کا ایک مؤثر ذریعہ بن چکا تھا۔ 2013ء سے 2022ء تک وہ مسلسل سرگرم رہے۔ اس عرصے میں انہوں نے متعدد گوریلا کارروائیوں کی قیادت کی اور کئی اہم معرکوں میں حصہ لیا۔ ان کے ساتھیوں میں برہان مظفر وانی، ڈاکٹر سیف اللہ، ریاض احمد نائیکو اور یاسین یتو جیسے معروف نام شامل تھے۔ وہ اپنے علاقے میں طویل عرصے تک سرگرم رہنے والے تجربہ کار ترین کمانڈروں میں شمار ہوتے تھے۔ بالآخر 6 مئی 2022ء کا دن آیا جب پہلگام کے سرچن جنگلاتی علاقے میں ایک وسیع فوجی آپریشن شروع کیا گیا

محاصرے کے دوران شدید جھڑپ شروع ہوئی جو کئی گھنٹوں تک جاری رہی۔ جنگل گولیوں کی گھن گرج سے لرز اٹھا۔ منصور الحق اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ طویل مزاحمت کے بعد وہ اپنے دو رفقاء محمد روشن ضمیر تانترے عرف زید بھائی اور محمد رفیق درنگے عرف ابوضرار کے ساتھ جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کی شہادت حزب المجاہدین اور ان کے رفقائے کار کے لیے یقیناً ایک بڑا نقصان تھی، لیکن انہوں نے اپنی زندگی کے آغاز میں اپنے رب سے جو عہد کیا تھا، اسے نبھا دیا۔ انہوں نے اپنے خون سے وفا کی وہ داستان لکھی جو آنے والی نسلوں کو عزم، استقامت اور قربانی کا پیغام دیتی رہے گی۔ انہوں نے اپنے خونِ جگر سے اپنے گلشن کے پھولوں کو سیراب کیا اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے تاریخ میں اپنا نام رقم کر گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام شہداء کی قربانیوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

ناکامی کامیابی کی پہلی سیڑھی!!!

بریرہ بنت نہال

ناکامی کو عام طور پر منفی نظر سے دیکھا جاتا ہے، مگر حقیقت میں یہی ناکامی انسان کو کامیابی کی راہ دکھاتی ہے۔ اگر گہرائی سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ناکامی دراصل ایک ایسا تجربہ ہے جو انسان کو اپنی کمزوریوں سے آگاہ کرتا اور اسے بہتر بننے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ناکامی کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:(سورۃ البقرہ: 216) ترجمہ۔۔۔اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو

یہ آیت ہمیں سکھاتی ہے کہ بعض اوقات جو چیز ہمیں بری لگتی ہے، دراصل وہ ہمارے حق میں بہتر ہوتی ہے۔ ناکامی بھی بظاہر ایک تکلیف دہ تجربہ ہے، مگر یہی انسان کو سکھا کر آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملے میں بھلائی ہے (صحیح مسلم)

یہ حدیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ ایک مومن کے لیے ہر حال میں خیر ہے، چاہے وہ کامیابی ہو یا ناکامی۔ ناکامی بھی دراصل ایک آزمائش ہے جو انسان کو صبر، استقامت اور محنت کا درس دیتی ہے۔

مشہور اردو قول ہے: ناکامی انسان کو وہ سبق سکھاتی ہے جو کامیابی کبھی نہیں سکھا سکتی

یہ قول اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ جب انسان ناکام ہوتا ہے تو وہ اپنی غلطیوں کا جائزہ لیتا ہے، اپنی حکمتِ عملی کو بہتر بناتا ہے اور دوبارہ پوری تیاری کے ساتھ میدان میں اترتا ہے۔

شاعر شعر میں اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

یہ شعر ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ناکامی دراصل ان لوگوں کا مقدر ہوتی ہے جو کچھ کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ جو لوگ کوشش ہی نہیں کرتے، وہ ناکامی اور کامیابی دونوں سے محروم رہتے ہیں۔

طلبہ زندگی کے اس مرحلے میں ہوتے ہیں جہاں چھوٹی سی ناکامی بھی بہت بڑی محسوس ہوتی ہے، جیسے امتحان میں کم نمبر آنا یا کسی مقابلے میں پیچھے رہ جانا۔ مگر یاد رکھیں، یہی ناکامیاں آپ کی اصل تربیت کرتی ہیں۔ اگر آپ ہر ناکامی کے بعد ہمت ہار دیں گے تو آگے بڑھنا مشکل ہو جائے گا، لیکن اگر آپ اسے سیکھنے کا موقع سمجھیں گے تو یہی ناکامی آپ کی کامیابی کی بنیاد بن جائے گی۔ اپنی غلطیوں کا جائزہ لیں، محنت کو جاری رکھیں، اور اپنے مقصد سے کبھی غافل نہ ہوں۔ کامیاب وہی ہوتے ہیں جو بار بار گر کر بھی اٹھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

یہ اشعار اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ زندگی میں ہر خواہش پوری نہیں ہوتی، مگر یہی ادھوری خواہشات اور ناکامیاں انسان کو مزید محنت کرنے پر آمادہ کرتی ہیں۔

طلبہ زندگی کے اس مرحلے میں ہوتے ہیں جہاں چھوٹی سی ناکامی بھی بہت بڑی محسوس ہوتی ہے، جیسے امتحان میں کم نمبر آنا یا کسی مقابلے میں پیچھے رہ جانا۔ مگر یاد رکھیں، یہی ناکامیاں آپ کی اصل تربیت کرتی ہیں۔ اگر آپ ہر ناکامی کے بعد ہمت ہار دیں گے تو آگے بڑھنا مشکل ہو جائے گا، لیکن اگر آپ اسے سیکھنے کا موقع سمجھیں گے تو یہی ناکامی آپ کی کامیابی کی بنیاد بن جائے گی۔ اپنی غلطیوں کا جائزہ لیں، محنت کو جاری رکھیں، اور اپنے مقصد سے کبھی غافل نہ ہوں۔ کامیاب وہی ہوتے ہیں جو بار بار گر کر بھی اٹھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

آخر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ناکامی کوئی انجام نہیں بلکہ ایک نیا آغاز ہے۔ یہ انسان کو سکھاتی ہے، سنوارتی ہے اور اسے کامیابی کے قریب لے جاتی ہے۔ اگر انسان ہمت نہ ہارے اور اپنی غلطیوں سے سیکھتا رہے تو وہ دن دور نہیں جب ناکامی کامیابی میں بدل جائے گی۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ناکامی سے گھبرانے کے بجائے اسے ایک موقع سمجھیں اور اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے استعمال کریں۔

صدائے عام

بدرعبداللہ

کشمیر......ایک ایسا زخم جو کبھی بھرتا نہیں، ایک ایسی چیخ جو سنائی نہیں دیتی، اور ایک ایسا درد جو ہر دل میں ہے مگر لفظوں میں سماتا نہیں۔ ریاست جموں و کشمیر آج پانچ حصوں میں بٹی ہوئی ہے، مگر اصل تقسیم زمین کی نہیں، دلوں کی ہے۔ ایک طرف ماں ہے، دوسری طرف بیٹا۔ ایک طرف بھائی ہے، دوسری طرف بھائی۔ یہ فاصلے میلوں کے نہیں......صدیوں کے محسوس ہوتے ہیں۔ وہ منظر کون بھول سکتا ہے......؟ دریائے نیلم کے کنارے کھڑے وہ بے بس لوگ......جن کی آنکھوں کے سامنے اپنے پیاروں کا جنازہ تھا، مگر وہ صرف دیکھ سکتے تھے، چھو نہیں سکتے تھے۔

آواز دے سکتے تھے، مگر سنوا نہیں سکتے تھے۔

آنکھیں رو رہی تھیں......مگر آنسو بھی بے اختیار تھے۔

یہ کیسی زندگی ہے......؟

جہاں بات کرنا بھی جرم بن جائے......

جہاں ایک فون کال انسان کو تھانے کی دہلیز تک لے آئے......

جہاں رشتے دبئی اور برطانیہ کے راستوں سے سانس لیں......

یہ زندگی نہیں......یہ زندہ لاشوں کا سفر ہے۔

مقبوضہ کشمیر کا ہر انسان ایک چلتی پھرتی داستان ہے

درد کی، ظلم کی، اور بے بسی کی داستان۔

کسی کا پاسپورٹ ضبط، کسی کی زمین چھین لی گئی، کسی کا مستقبل اندھیروں کے حوالے کر دیا گیا۔

ہر دروازے پر خوف کی دستک ہے، ہر گلی میں خاموشی چیخ رہی ہے۔

وہ ظلم بھی اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے

معصوم بچیوں کی عصمت دری، گھروں اور دکانوں کو آگ لگانا،

پوری بستیوں کو خاکستر کر دینا......

یہ سب ایک معمول بن چکا ہے۔

نوجوانوں پر جھوٹے الزامات لگا کر انہیں دہشت گرد قرار دینا، ان پر تشدد کرنا، ان کے تعلیمی اور معاشی مستقبل کا قتل عام کرنا......

یہ سب سرِعام ہو رہا ہے۔

ایک وقت تھا جب آزادی کی امید زندہ تھی، جب نوجوان سینوں پر گولیاں کھا کر بھی مسکرا دیتے تھے۔ جب حزب المجاہدین، لشکر طیبہ اور جیش محمد کے نام سن کر دشمن کے قدم ڈگمگا جاتے تھے۔

مگر آج......وہی وادی سسک رہی ہے، وہی خواب بکھر چکے ہیں۔

امام سید علی گیلانی کی آواز آج بھی فضا میں گونجتی محسوس ہوتی

ہے۔ وہ آواز جو امید تھی، جو حوصلہ تھی، جو ایک چراغ تھی۔ اور شیخ عبدالعزیز کی "راولپنڈی چلو" کی صدا......آج بھی دلوں میں دفن ایک ادھورا خواب ہے۔ آج سوال صرف دشمن سے نہیں......سوال اپنے آپ سے بھی ہے۔ کہاں ہیں وہ جو کشمیریوں کے وکیل تھے؟ کہاں ہے وہ آواز جو دنیا کے ایوانوں میں گونجتی تھی؟ کیوں آج ہر طرف ایسی خاموشی ہے......جو چیخوں سے زیادہ خوفناک ہے؟ خوشیاں ہمیشہ اپنوں کے ساتھ منائی جاتی ہیں......مگر یہاں تو اپنے ہی بچھڑ چکے ہیں۔ کوئی ہجرت کے سفر میں ہے، کوئی جیل کی سلاخوں کے پیچھے۔ درد کے آنسو بہتے ہیں......اور دل اپنوں کے لیے تڑپتے رہتے ہیں۔ ہندوستان نے کشمیریوں پر ظلم کا ایک طویل اور تاریک دور مسلط کر رکھا ہے۔

اب سوال یہ ہے

کس کے سینے سے لگیں گے؟

کس کو عید کی مبارک دیں گے؟

کس کے ساتھ خوشیاں بانٹیں گے؟

ایک طرف عید کی رونقیں ہیں......بچے اپنے باپ کے انتظار میں دروازے تک دیکھتے ہیں......خوشیاں ماتم میں بدل جاتی ہیں، اور زندگیاں ایک لمحے میں اجڑ جاتی ہیں۔

یہ کون لوگ ہیں......؟ جو ہمارے خوابوں کو بارود سے اڑا دیتے ہیں......جو ہماری زمین کو خون سے رنگ دیتے ہیں......اور ہم......بس دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ کشمیر کا ہر باسی آج یہ سوال کر رہا ہے:

کیا ہم واقعی اکیلے ہیں......؟

قائد اعظم محمد علی جناح نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ کہا تھا۔

علامہ اقبال نے اسے جنت نظیر قرار دیا تھا۔

مگر آج......وہی جنت آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی ہے۔

ہم نے اس راستے میں اپنے بیٹے قربان کیے، اپنے بھائی کھوئے، اپنی ماؤں کو رلایا......

وہ سب کامیاب ہو گئے......

مگر ہم آج بھی اسی سوال کے ساتھ کھڑے ہیں

کیا ہم نے ان کے خواب کو پورا کیا؟

وقت ابھی بھی ہے......

اگر ہم جاگ جائیں......

اگر ہم ایک ہو جائیں......

اگر ہم صرف باتوں سے نکل کر عمل کی طرف آ جائیں۔

کشمیر آج بھی پکار رہا ہے......

اس کی وادیاں آج بھی سسک رہی ہیں......

اس کے دریا آج بھی خون کے آنسو بہا رہے ہیں......

اور اگر ہم نے آج بھی نہ سنا......

تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

جواب حاضر ہے!!!

مفتی خالد عمران خالد

دینی اور شرعی مسائل میں رہنمائی

سوال ۔۔۔زید کی ساری اولادیں لڑکیاں ہیں تو مرحوم کی وراثت میں لڑکیوں کے ساتھ اور کوئی وارث بن سکتا ہے اس کا جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائے

جواب ۔۔۔مذکورہ صورت میں مرحوم کی بیٹیوں کے ساتھ مرحوم کا بھائی، بہن، بھائی کے بیٹے، مرحوم کا چچا وارث بن سکتے ہیں۔

سوال ۔۔۔ایک آدمی پب جی گیم یا ٹک ٹاک سے پیسے کماتا ہے تو اس شخص کے ساتھ قربانی کرنا جائز ہے کہ نہیں

جواب ۔۔۔ٹک ٹاک کھیلنا اور پب جی کھیلنا یہ دینی کام ہے اور نہ ہی اخروی اور اس طرح کا کام کرنے والے کے ساتھ قربانی کرنا مکروہ ہے ناپسندیدہ ہے

سوال ۔۔۔بچہ کے پیدا ہونے کے بعد کیا بیوہ نکاح کرسکتی ہے؟

جواب ۔۔۔بچہ کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی عدت ختم ہو جاتی ہے اور جیسے ہی عدت ختم ہو خاتون نکاح کر سکتی ہے اس میں کوئی چیز مانع نہیں ہے

سوال ۔۔۔عدت کی مدت کیا ہے؟

جواب ۔۔۔مطلقہ اگر حاملہ ہو تو عدت وضع حمل ہے جب بچہ پیدا ہو جائے اور اگر حاملہ نہیں چار مہینے اور دس دن ہیں اس کے بعد خاتون دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے

سوال ۔۔۔مدتِ عدت اور مدتِ رضاعت میں کیا فرق ہے؟

جواب ۔۔۔مدتِ عدت اس مدت کو کہتے ہیں جس میں طلاق یافتہ یا بیوہ عورت دوسری شادی نہیں کر سکتی۔ اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضعِ حمل (بچے کی پیدائش) تک ہے، خواہ مدت کم ہو یا زیادہ۔ طلاق کی صورت میں غیر حاملہ عورت کی عدت عموماً تین حیض (یا تین قمری ماہ) ہوتی ہے۔ مدتِ رضاعت اس مدت کو کہتے ہیں جس میں بچے کو دودھ پلانے سے رضاعت کے احکام ثابت ہوتے ہیں۔ شریعت کے مطابق رضاعت کی مدت دو قمری سال (چوبیس ماہ) ہے۔ اس مدت کے اندر دودھ پینے سے رضاعی رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور نکاح کے بعض احکام نافذ ہوتے ہیں۔ لہٰذا عدت عورت کے نکاح سے متعلق ایک شرعی مدت ہے، جبکہ رضاعت بچے کے دودھ پینے سے متعلق ایک شرعی مدت ہے۔ دونوں کے احکام اور مقاصد الگ الگ ہیں۔ نوٹ: بعض فقہی مذاہب، خصوصاً فقہِ حنفی میں، رضاعت کے بعض احکام کے لیے مدت ڈھائی سال (تیس ماہ) تک بھی مذکور ہے، تاہم جمہور فقہاء کے نزدیک رضاعت کی اصل مدت دو سال ہے۔

سوال ۔۔۔زید نے عمر سے کہا کہ میرا پلاٹ ہے وہ میرے لئے فروخت کرو۔ تیس لاکھ میں میرے لئے فروخت کرو اور اگر اس سے زیادہ میں فروخت کیا تو وہ تیرے ہیں۔ اب پوچھنا یہ کہ کیا اس صورت میں مجھول منافع پر اسکو وکیل بنانا جائز ہے یا نہیں

جواب ۔۔۔بائع اور وکیل کے درمیان جس بات پہ اتفاق ہو جائے اور کسی پہ ظلم نہ ہو تو یہ جائز ہے

سوال ۔۔۔کیا قربانی میں نیت کا خالص ہونا ضروری ہے؟ اگر ایک بڑے جانور میں کئی افراد شریک ہوں اور ان میں سے کوئی ایک قربانی کے بجائے کسی اور نیت (مثلاً صرف گوشت حاصل کرنے) سے شریک ہو تو کیا سب کی قربانی درست ہوگی؟

جواب ۔۔۔قربانی عبادت ہے، اس لیے اس میں اللہ تعالیٰ کا تقرب مقصود ہونا ضروری ہے۔ اگر بڑے جانور میں شریک تمام افراد کی نیت قربانی، نذر یا کسی ایسی عبادت کی ہو جس سے تقرب الی اللہ حاصل ہوتا ہے تو سب کی قربانی درست ہوگی۔ لیکن اگر شرکاء میں سے کسی ایک کی نیت محض گوشت حاصل کرنا ہو اور اس کی نیت تقرب الی اللہ کی نہ ہو، تو تمام شرکاء کی قربانی فاسد ہو جائے گی، کیونکہ قربانی میں شریک تمام افراد کا مقصد عبادت اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہونا چاہیے

سوال ۔۔۔گر ایک غریب آدمی، جس پر قربانی واجب نہیں تھی، قربانی کا جانور خرید لے اور عید سے پہلے وہ جانور مر جائے یا گم ہو جائے، تو کیا اس پر دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنا لازم ہے؟

جواب:۔۔۔اگر کوئی غیر صاحب نصاب (غریب) شخص قربانی کی نیت سے جانور خرید لیتا ہے تو اس جانور کی قربانی اس کے ذمہ لازم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر وہ جانور عید سے پہلے مر جائے یا گم ہو جائے تو اس پر دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنا واجب ہوگا۔ البتہ اگر کوئی صاحب نصاب (جس پر قربانی واجب ہے) شخص قربانی کا جانور خریدے اور وہ جانور مر جائے یا گم ہو جائے تو اس مخصوص جانور کی قربانی لازم نہیں رہتی، لیکن چونکہ اصل قربانی اس کے ذمہ واجب ہے، اس لیے اسے دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنی ہوگی۔

سوال ۔۔۔آئی ایم ایف کا ہر بندہ مقروض ہے، کیا آئی ایم ایف کے مقروض پہ قربانی واجب ہے یا نہیں؟

جواب ۔۔۔وجوبِ قربانی سے مانع وہ قرض ہوتا ہے جو انسان نے بذاتِ خود لیا ہو، ایسا قرضہ جو صاحبِ نصاب نے بذاتِ خود نہ لیا ہو، بلکہ لینے والا حکمران یا کوئی اور ہو، تو مقروض قرض قربانی واجب ہونے سے مانع نہیں ہوتا، لہٰذا جو شخص ذاتی طور پر صاحب نصاب ہو اس پر قربانی واجب ہے۔ ملکی قرضہ کی وجہ سے مقروض عوام پر زکاۃ نہیں

ہے

سوال ۔۔ایک مدرسہ ہے حفظ کا، اس میں بچے قران مجید پڑھ کے چلے جاتے ہیں اور مدرسے کی عمارت کرائے کی ہے، لازماً ان کے بل وغیرہ بھی اتے ہیں بچوں کی اگرچہ تھوڑی سی فیس رکھی ہوئی ہے لیکن اس سے مدرسے کے اخراجات پورے نہیں ہوتے اور نہ ہی استانی صاحبہ کی تنخواہ پوری ہوتی ہے تو کیا ایسے مدرسے کے لیے قربانی کی کھالیں جمع کرنا یا زکوۃ اور صدقہ کی رقم لینا جائز ہوگا یا ناجائز۔

جواب ۔۔قربانی کی کھالیں ایسے دینی ادارے کو دی جا سکتی ہے اس میں کوئی چیز مانع نہیں ہے

سوال ۔۔۔یونیورسٹی کی کچھ فی میل سٹوڈنٹس چہرے کے پردے کے بارے کہتی ہیں کہ یہ کوئی ضروری نہیں بس سر کے بال چھپے ہوں کافی ہے عبایا وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں ۔۔۔جبکہ ہم نے سنا ہے کہ عورتیں جب گھر سے باہر نکلیں تو بڑی چادریں لے کر نکلیں ۔۔کچھ راہنمائی فرمادیں ۔۔بحیثیت سٹوڈنٹ یہ بھی سوال ہے پہلی شریعتوں میں چہرے کا پردہ نہیں تھا کیا۔۔۔؟اور ہماری شریعت میں اس کی حکمت ۔۔۔۔

جواب ۔۔۔شریعت میں چہرے کا پردہ موجود ہے اللہ تعالی نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم دیا اے پیغمبر اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو کہہ دو کہ وہ جب گھر سے نکلنے لگیں تو اپنے چہرے کو ڈھانپ لیں ۔پردہ بنیادی طور پہ اسی چیز کا ہوتا ہے جس کی وجہ سے کشش پیدا ہو اور جسے مستور رکھا جائے چھپایا جائے ۔۔عورت کا مطلب ہی پردہ ہے اور عورت کا چہرہ بھی پردے میں شامل ہے

سوال ۔۔قربانی کا مصرف کیا ہے

جواب ۔۔قربانی کے کھالوں کے مصارف زکوۃ کے مصارف کی طرح ہیں
نفس مدرسے کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں البتہ اگر طلباء یا استاد یا استانی صاحبہ مستحق زکوۃ ہیں تو قربانی کے کھالیں جمع کر سکتے ہیں

سوال ۔۔۔ایک آدمی کے پاس دو بکرے ہیں اسکی نیت تھی کہ ایک بکرا قربانی کے لیے اور ایک بکرا عقیقہ کے لیے اور اب وہ چاہتے ہیں کہ دونوں بکرے عقیقہ میں ہی استعمال کرلوں اور کسی اجتماعی قربانی میں حصہ ڈال کر قربانی کروں ۔معلوم کرنا ہے کہ قربانی کی نیت سے جو بکرا ہے اسکو عقیقہ میں دے سکتے ہیں.

جواب ۔۔۔بہتر اور افضل یہی ہے جو چیز جس مقصد کے لیے اور جس نیت سے خریدی جائے اسی میں استعمال کی جائے لیکن اگر وہ یہ کرتے ہیں تو جائز ہے ۔

سوال ۔۔۔امام کے لئے قرآت مسنونہ کیا ہے؟اس قرآت مسنونہ پر بھی اگر مقتدی معترض ہوں اور امام کا مؤقف ہو کہ یہ قرآت چونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کی ہے میں یہی کروں گا۔ تو امام کے اس مؤقف سے متعلق شریعت کیا ہے

جواب ۔۔قرآت مسنونہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کرنا افضل ہے اگر کوئی اور کرتا ہے تب بھی جائز ہے لیکن ترتیب واجب ہے اس کا خیال رکھنا چاہیے

سوال ۔۔۔اگر امام کو ظن غالب ہو کہ اگر وہ نماز میں مسنون قرآت کا لحاظ رکھے گا تو مقتدی بلا عذر مسجد میں کم آئیں گے یا تو کسی اور مسجد میں جائیں گے یا پھر گھر میں پڑھیں گے تو اب امام مسنون قرآت کرے یا پھر مقتدیوں کا لحاظ رکھے؟

جواب ۔۔۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے نماز ہلکی پڑھانے کا حکم فرمایا ہے، ہلکی نماز کا مطلب یہ ہے کہ نماز مقدارِ مسنون سے طویل نہ ہو، یعنی قراءت کی مقدار مسنون قرآت سے زائد نہ ہو، اور نہ ہی رکوع سجود میں تسبیحات پانچ سے زائد مرتبہ پڑھے، البتہ اگر دوران نماز کوئی ایسا عذر پیش آجائے جو نماز میں مخل ہو تو اس صورت میں مسنون قرآت ترک کرنے کی بھی اجازت ہے، لہذا صورتِ مسئولہ میں لوگوں کی سستی اور کاہلی کی وجہ سے مسنون قرآت مستقل طور پر ترک کرنے کی شرعاً اجازت نہ ہوگی، البتہ امام صاحب قرآت بہت زیادہ تکلفات کے ساتھ نہ کریں، تجوید کی رعایت رکھتے ہوئے روانی سے قرآت کریں گے تو مسنون قرآت اور مقتدی حضرات دونوں کی رعایت ہوجائے گی۔ نیز امام صاحب کو چاہیے کہ حکمت ونرمی کے ساتھ رسول اللہ ؐ کا عمل مقتدیوں کو بتائیں اور انہیں ترغیب دیں تو امید ہے کہ ان شاء اللہ وہ شوق سے آئیں گے ۔۔۔جب مقتدیوں کو حرج ہو تو امام کے لیے باجماعت نماز میں مقدارِ مسنون سے زائد تلاوت کرنا مکروہ تحریمی ہے

سوال ۔۔۔وقف قربانی کس کو کہا جاتا ہے اور اس سے کیا مراد ہے اور اس کے کیا مقاصد ہوتے ہیں

جواب ۔۔۔عرف عام میں جو" وقف قربانی" کہا جاتا ہے، اس سے عموماً مراد ایسی قربانی ہوتی ہے جو فی سبیل اللہ غریبوں، مساکین اور ضرورت مندوں کے لئے کی جائے، تاکہ اس کا گوشت معاشرے کے مختلف طبقات اور افراد تک پہنچ سکے ۔
یہ دراصل اصطلاحی" وقف" نہیں ہوتا، بلکہ قربانی کے جانور یا اس کے گوشت کو رفاہی اور خیراتی مصرف میں دینا مقصود ہوتا ہے، چنانچہ بعض ادارے یا افراد اجتماعی طور پر قربانی کر کے اس کا گوشت غرباء، مدارس، یتامیٰ یا مستحق خاندانوں میں تقسیم کرتے ہیں، اسی کو عرف عام میں" وقف قربانی" کہا جاتا ہے، اس کا بہتر نام" فی سبیل اللہ قربانی" ہے۔ البتہ شرعی اعتبار سے قربانی کے احکام وہی رہیں گے جو عام قربانی کے ہیں۔

بھارتی فوج، پولیس اور نیشنل انویسٹی گیشن ایجنسی (NIA) کی جانب سے مقبوضہ جموں وکشمیر کے مختلف علاقوں میں مشترکہ چھاپوں اور تلاشیوں کا سلسلہ بدستور جاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عوام میں خوف وہراس، درجنوں نوجوان گرفتار، متعدد جائیدادیں ضبط، قیمتی اشیاء کی توڑ پھوڑ

همایوں قیصر

16 اپریل 2026۔۔۔بدنام زمانہ بھارتی ایجنسی ''این آئی اے'' نے ضلع اسلام آباد کے علاقے بیج بہاڑہ میں رئیس احمد ڈار، سبزار احمد ڈار، مدثر احمد اور زاہد احمد کے رہائشی مکانات سمیت دیگر چار جائیدادیں بھی کالے قانون کے تحت ضبط کرلیں۔جبکہ انتظامیہ نے ضلع پلوامہ میں مختار احمد نامی شہری کی کمرشل املاک کو مسمار کر دیا ہے۔

18 اپریل 2026۔۔۔مقبوضہ کشمیر بھارتی انتظامیہ نے جماعت اسلامی کے فلاح عام ٹرسٹ ادارے کے زیر انتظام کم از کم 58 اسکولوں کو قبضے میں لینے کے حوالے سے ایک حکمنامہ جاری کیا۔ مقبوضہ علاقے کے محکمہ سکول ایجوکیشن نے سکولوں کی ضبطی کے حوالے سے بھارتی محکمہ داخلہ کے اس نوٹیفکیشن کا بھی حوالہ دیا جس میں جماعت اسلامی کو کالے قانون ''یو اے پی اے'' کے تحت ایک ممنوعہ تنظیم قرار دیا گیا ہے۔یاد رہے کہ بھارتی حکومت نے جماعت اسلامی پر فروری 2019ء میں پابندی عائد کردی تھی۔ ضلع اسلام آباد کے دیالگام علاقے میں ایک نوجوان آصف احمد بٹ لاپتہ ہوگیا۔ضلع بارہمولہ کے علاقے سوپور میں بھارتی پولیس نے سوشل میڈیا پر غلط معلومات پھلانے اور امن وامان کو خراب کرنے کے الزام میں 16 نوجوانوں کو گرفتار کرلیا۔یاد رہے کہ رواں ہفتے کے شروع میں گورنمنٹ گرلز ہائیر سیکنڈری سکول سوپور میں ایک طالبہ کے ساتھ مبینہ طور پر جنسی ہراسانی کے الزام کے خلاف طلبا اور مقامی نوجوانوں نے پرامن احتجاجی مظاہرے کیے تھے۔

19 اپریل 2026۔۔۔ضلع پونچھ کے مینڈھر کے علاقے بالاکوٹ میں کنٹرول لائن کے قریب بارودی سرنگ کے دھماکے میں ایک بھارتی فوجی زخمی ہوگیا۔ضلع جموں کے علاقے نگروٹہ میں فوجی کیمپ کے فیملی کوارٹرز کے علاقے میں ڈاگ یونٹ کا فوجی اپنے کمرے کی چھت سے رسی سے لٹکا ہوا پایا گیا۔

20 اپریل 2026۔۔۔گورنمنٹ میڈیکل کالج جموں کے قریب نامعلوم حملہ آوروں کے حملے میں ایک پولیس اہلکار حوالدار سندیپ سنگھ زخمی ہوگیا۔مقبوضہ کشمیر میں گورنمنٹ کالج برائے خواتین (جی سی ڈبلیو) گاندھی نگر جموں کی طالبات نے ایک ساتھی طالبہ کی ہلاکت پر کالج کے باہر احتجاج کیا۔مظاہرے میں طالبات کی

ایک بڑی تعداد شریک تھی، جنہوں نے ساتھی طالبہ کی ہلاکت کیخلاف نعرے لگائے اور اپنے غم وغصے کا اظہار کیا۔بھارتی فوج نے ضلع بارہمولہ کے علاقوں سوپور، رفیع آباد، زینہ گیر، پٹن اور سنگرامہ میں کئی رہائشی مکانوں کی تلاشی لی۔اس دوران بھارتی فوج نے لوگوں کے گھروں میں گھس کر انہیں ہراساں کیا اور قیمتی اشیاء کی توڑ پھوڑ کی۔

21 اپریل 2026۔۔۔ضلع بارہمولہ کے قصبے سوپور کے علاقے بوہری پورہ میں سادہ کپڑوں میں ملبوس نامعلوم افراد رات کی تاریکی میں ایک باغ میں گھس گئے جہاں انہوں نے درجنوں سیب کے درجنوں درختوں کو کاٹ کر تباہ کر دیا۔باغ کے مالک قلبی حسین میر کے تقریبا 155 اعلیٰ معیار کے سیب کے درختوں کو کاٹ دیا گیا ہے، جس سے ان کی آمدنی کا واحد ذریعہ بری طرح متاثر ہوا ہے۔متاثرہ خاندان نے قابض انتظامیہ سے ذمہ دار عناصر کو فوری طور پر قانون کے کٹھرے میں لانے کا مطالبہ کیا ہے۔ضلع بڈگام ہمہامہ کیمپ میں ایک بھارتی فوجی اہلکار ڈیوٹی کے دوران حرکت قلب بند ہونے سے ہلاک ہو گیا۔

22 اپریل 2026۔۔۔بدنام زمانہ بھارتی ایجنسی ''این آئی اے'' نے بھارتی فوج کے ہمراہ ایک چھاپے کے دوران ضلع پلوامہ کے علاقے لیتہ پورہ میں فیاض احمد ماگرے کے دومنزلہ مکان اور ایک منزلہ مکان کو قبضے میں لے لیا۔حکام نے اس ظالمانہ کارروائی کا جواز پیش کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ فیاض ماگرے 2017 میں لیتہ پورہ میں بھارتی فوج کے ایک تربیتی کیمپ پر حملے میں ملوث ہے۔

23 اپریل 2026۔۔۔بدنام زمانہ بھارتی تحقیقاتی ادارے 'این آئی اے' نے جنوبی کشمیر کے ضلع پلوامہ کے علاقے راج پورہ ابہامہ میں تنویر احمد وانی کی 3 کنال اور 4 مرلہ اراضی کالے قانون ''یو اے پی اے'' کے تحت ضبط کی ہے۔

24 اپریل 2026۔۔۔بھارت کے بدنام زمانہ تحقیقاتی ادارے ''این آئی اے'' نے سرینگر کے علاقے نوگام کے رہائشی تفضل حسین پر آزادی پسند سرگرمیوں میں ملوث ہونے اور

آزادی پسند کارکنوں کو لاجسٹک مدد فراہم کرنے کا الزام میں بڈگام کے علاقے ایس کے باغ میں واقع ساڑھے 11 مرلہ اراضی کالے قانون "یواے پی اے" کے تحت ضبط کرلی ہے۔بھارتی پولیس نے بلا جواز سوپور قصبے میں 6 کشمیری نوجوانوں عمر اکبر حجام،سلمان احمد شالہ،الطاف احمد شیخ،مبشر احمد،مزمل مشتاق اور ماجد فردوس کو سوپور گورنمنٹ گرلز ہائیر سیکنڈری اسکول میں اسکول کی ایک طالبہ کی بے حرمتی کے خلاف طلبا کے خلاف احتجاج کرنے پر گرفتار کر کے ان پر کالا قانون "پی ایس اے" لاگو کر دیا ہے۔بھارتی پولیس نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ گرفتار کیے گئے کشمیری نوجوان سوپور میں طلبا کے حالیہ احتجاج کے دوران توڑ پھوڑ کی کارروائیوں میں ملوث تھے۔

25اپریل 2026۔۔۔ضلع پونچھ کے نورکوٹ دیگوار علاقے میں کنٹرول لائن کے قریب بارودی سرنگ کے دھماکے میں ایک چھ برس کا لڑکا محمد رضوان کا زخمی ہوگیا۔بھارتی انتظامیہ نے سرینگر کے علاقے نور باغ کے رہائشیوں شکیل احمد گنائی اور فاروق احمد میر کے ایک ایک کنال اراضی پر تعمیر شدہ دو منزلہ رہائشی گھر ضبط کر لیے۔گھروں کی مالیت کل 5 کروڑ روپے بتائی جارہی ہے۔

26اپریل 2026۔۔۔مقبوضہ کشمیر میں بھارتی افواج نے اپنی ظالمانہ کارروائیوں کو تیز کرتے ہوئے وادی کشمیر میں مختلف علاقوں میں چھاپوں، گرفتاریوں اور املاک کو ضبط کرنے کا سلسلہ جاری رکھا جبکہ اسلام آباد میں سب سے زیادہ کارروائیاں کیں جہاں 20 کے قریب مقامات پر چھاپے مارے گئے اور تلاشی لی گئی۔بھارتی افواج کے اہلکاروں نے اپنی کارروائیوں کے دوران مقامی لوگوں کے گھروں پر دھاوا بول دیا جس سے لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔

27اپریل 2026۔۔۔ضلع جموں کے میران صاحب علاقے میں بھارتی فوج کی تلاشی کارروائی کے دوران فائرنگ کے تبادلے میں ابھینیت سنگھ نامی شخص زخمی ہونے کے بعد زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسا۔

28اپریل 2026۔۔۔مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج نے ایک تلاشی کارروائی کے دوران سرینگر کے علاقے خانمو میں کالے قانون "یواے پی اے" کے تحت پانچ نوجوانوں کو گرفتار کر کیا ہے۔بھارتی فورسز نے ان گرفتاریوں کو جواز پیش کرنے کیلئے نوجوانوں کے قبضے سے دو دستی بم، دو میگزین، گولہ بارود اور ایسے پوسٹرز برآمد کرنے کا دعویٰ کیا ہے جن پر آزادی کے حق میں نعرے درج تھے۔

30اپریل 2026۔۔۔ضلع شوپیاں کے علاقے اگلر میں فروٹ منڈی میں ایک کولڈ اسٹوریج یونٹ میں ایک دھماکے میں ایک غیر کشمیری بھارتی انجینئر ہلاک جبکہ دو دیگر زخمی ہو گئے ، زخمیوں کی شناخت دلیپ کمار اور رام کمار کے طور پر ہوئی ہے۔مقبوضہ جموں وکشمیر میں بھارتی پولیس نے اظہار رائے کی آزادی کے حق پر ایک اور حملے میں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کی رہنما التجا مفتی کے خلاف بزرگ حریت قائد سید علی گیلانی شہید کا ایک ویڈیو کلپ سوشل میڈیا پر اپ لوڈ کرنے پر مقدمہ درج کرلیا ہے۔سید علی گیلانی کا یہ ویڈیو کلپ اردو زبان کی اہمیت وافادیت کے بارے میں ہے جسے بی جے پی کی ہندوتوا بھارتی حکومت ختم کرنے کے اقدامات کر رہی ہے۔

2 مئی 2026۔۔۔ضلع پلوامہ کے علاقے میں بھارتی فوج نے ایک چھاپے کے دوران ملک محمد عمر ملک کو کالے قانون کے تحت گرفتار کرلیا،فوج نے ان کی گرفتاری کا جواز فراہم کرنے کیلئے اس پر عسکریت پسندوں کیلئے کام کرنے کا الزام عائد کیا ہے اور گرفتار شخص سے ہتھیار اور گولہ بارود بھی برآمد کرنے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ضلع رامبن میں ڈگڈول کے قریب نالہ بشلری سے لاپتہ نوجوان تنویر احمد چوپان کی لاش برآمد ہوئی ہے۔تنویر احمد چوپان نامی نوجوان اپریل کے مہینے میں اس وقت لاپتہ ہو گیا تھا جب سرینگر جموں ہائی وے پر مکرکوٹ کے قریب اس نے نام نہاد گاؤ رکھشکوں (گائے کے محافظوں) کے تشدد سے بچنے کے لئے نالے میں چھلانگ لگائی۔

4 مئی 2026۔۔۔ضلع پلوامہ کے ترال لاڈی یار علاقے میں ایک بھارتی فوجی اہلکار بسوا نوین کمار نے اپنی سروس رائفل سے خود پر گولی مار کر خودکشی کرلی ہے۔

5 مئی 2026۔۔۔بھارتی قابض حکام نے مقبوضہ علاقے کے مختلف حصوں میں عام کشمیریوں کے گھروں اور دکانوں کو مسمار کرنے کی متعدد کارروائیاں کی ہیں۔مقامی افراد نے اس اقدام کو انتقامی کارروائی قرار دیا ہے جس نے کئی خاندانوں کو معاشی طور پر تباہ کر دیا ہے۔بھارتی پولیس نے سرینگر کے علاقے پل پورہ نور باغ میں ایک کشمیری کے گھر کو بے بنیاد الزام لگا کر مسمار کر دیا۔

6 مئی 2026۔۔۔مقبوضہ جموں وکشمیر میں بھارتی انتظامیہ نے جیل سے ضمانت پر رہا ہونے والے ایک اور کشمیری کیساتھ "جی پی ایس" ٹریکر نصب کر دیا ہے۔بھارتی پولیس نے ضلع اسلام آباد

کے رہائشی فیاض احمد ڈار کی مسلسل نگرانی کیلئے ان کے ٹخنوں کیساتھ "جی پی ایس" ٹریکنگ ڈیوائس لگائی ہے۔فیاض احمد کو حال ہی میں ایک جعلی مقدمے میں ضمانت پر رہا کیا گیا ہے۔

7 مئی 2026 ۔۔۔ضلع شوپیاں میں جامعہ سراج العلوم کے سینکڑوں طلباء،انکے والدین اور اساتذہ نے کالے قانون کے تحت مدرسے کی بندش کے خلاف زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا۔ انہوں نے ادارے کی فوری بحالی کا مطالبہ کیا جسے بھارتی حکومت نے غیر قانونی قرار دیکر گزشتہ ماہ سیل کر دیا تھا۔احتجاجی طلبانے جامعہ سراج العلوم سے ڈپٹی کمشنر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ شوپیاں کے دفتر تک مارچ کیا۔انہوں نے پلے کارڈز اٹھا رکھے تھے جن پر "ہمارا مستقبل بچاؤ" جیسے نعرے درج تھے۔حکام نے ادارہ بند کر کے طلبہ کا مستقبل تاریک کر دیا ہے اور وہ سخت غیر یقینی صورتحال سے دو چار ہیں۔طلباء کا کہنا تھا کہ بورڈ کے امتحانات قریب ہیں اور اس نازک وقت میں ہمیں سڑکوں پر آنے کیلئے مجبور کیا جار ہا ہے ۔ضلع بارہمولہ کے سوپور کے علاقے گنڈ براٹھ میں ایک ظالمانہ کارروائی کے دوران بھارتی فوج کی ایک گاڑی نے جان بوجھ کر ٹکر مار کر ایک تین سال کے بچے محمد زین ولد عامر حسین کو شہید کر دیا۔اس کارروائی کے خلاف عوام نے ایک احتجاجی مظاہرہ کیا اور فوج کے خلاف نعرے لگائے اور مطالبہ کیا کہ ملوث فوجی کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ضلع کپواڑہ کے علاقے کیرن میں بھارتی بد نام ایجنسی "این آئی اے" نے ایک کشمیری ضمیر احمد لون کی ایک کنال اور 14 مرلے سے زائد اراضی ضبط کی۔

8 مئی 2026 ۔۔۔ضلع اسلام آباد کے علاقے کوکرناگ میں قائم بھارتی فوج کے ایک کیمپ میں ایک فوجی اہلکار کانسٹیبل ستیش کمار نے اپنی ہی سروس ہتھیار سے خود پر گولی چلا کر خودکشی کر لی۔

9 مئی 2026 ۔۔۔ضلع گاندربل کے علاقے بنہامہ تھورو میں ایک نہر سے عدم شناخت شخص کی لاش برآمد ہوئی ہے۔

10 مئی 2026 ۔۔۔ضلع بارہمولہ کے علاقے جانباز پورہ میں انسداد منشیات کی نام نہاد مہم کی آڑ میں بھارتی انتظامیہ نے ریاض احمد خان نامی شہری کی دکان مسمار کر دی۔پولیس نے سرینگر میں برتھانہ،قمرواری کے شاہد مشتاق ڈار کی تقریباً 80 لاکھ روپے کی جائیداد ضبط کر لی اور کسی ثبوت کے بغیر جھوٹا الزام عائد کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ یہ اثاثے منشیات کے کاروبار سے حاصل کیے گئے ہیں۔جبکہ اسی الزام میں دو اور کارروائیوں میں بھارتی پولیس نے نوگام واگورہ، بی کے پورہ اور سرینگر کے علاقوں میں معراج الدین گنائی کی جائیداد ضبط کر لی جس میں 18 مرلہ اراضی، ایک منزلہ مکان اور ایک گاؤ خانہ شامل ہے جس کی قیمت تقریباً 5.1 کروڑ روپے ہے۔سرینگر کے علاقے میں پولیس نے کارروائی کرتے ہوئے تقریباً 2.1 کروڑ روپے مالیت کا ایک دو منزلہ رہائشی مکان ضبط کر لیا جو راوت پورہ، باغات برزلہ کے توقیر احمد میر کا ہے۔ضلع شوپیاں کے زینہ پورہ علاقے میں بھارتی فوج کے ایک کیمپ میں بھارتی فوج کا ایک ہیڈ کانسٹیبل سریندر سنگھ ڈیوٹی کے دوران گر کر ہلاک ہو گیا۔

12 مئی 2026 ۔۔۔ضلع پونچھ کے کرشنا گھاٹی سیکٹر میں بھارتی فوج نے ایک جھڑپ کے دوران ایک مجاہد کو فائرنگ کر کے شہید کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔مقامی ذرائع کے مطابق نوجوان چوہدری محمد شفیع کے صاحبزادے عامر ساکن ہجیرہ گزشتہ دو روز سے لاپتہ تھا اور اہل خانہ مسلسل اس کی تلاش میں مصروف تھے، تاہم بعدازاں بھارتی میڈیا پر اسے "دہشتگرد" قرار دیتے ہوئے خبریں نشر کی گئیں۔

13 مئی 2026 ۔۔۔ضلع کشتواڑ ضلع کے علاقے چترو علاقے میں تلاشی مہم کے دوران بھارتی پولیس نے ایک استاد مشکور احمد سمیت دو دیگر افراد کو کالے قانون "یو اے پی اے" کے تحت گرفتار کر لیا۔پولیس نے معلم کی گرفتاری کا جواز فراہم کرنے کیلئے ان پر آزادی پسند سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا الزام عائد کیا ہے ۔گرمائی دارالحکومت سری نگر کے جبہ کدل علاقے میں بھارتی پولیس کا ایک اہلکار ویر جی کول کرنٹ لگنے سے ہلاک ہو گیا۔بھارتی پولیس نے تلاشی کے دوران شالیمار سرینگر میں ایک نوجوان ارباز علی بٹ کو گرفتار کر لیا۔

14 مئی 2026 ۔۔۔مقبوضہ جموں وکشمیر میں بھارتی انتظامیہ کی طرف سے انسداد منشیات کی نام نہاد مہم کی آڑ میں ضلع کولگام کے علاقے چھانی گام میں ایک کشمیری کی تین دکانیں مسمار کر دیں۔ یاد رہے انسداد منشیات کی اس نام نہاد مہم کے تحت اب تک بیسیوں کشمیریوں کے گھر اور دیگر جائیدادیں بھارتی انتظامیہ ضبط اور مسمار کر چکی ہیں۔تحریک حریت کے سینئر رہنما اور ماہر تعلیم ولی محمد شاہ ضلع بارہمولہ کے علاقے سوپور قصبے میں انتقال کر گئے۔مرحوم ولی محمد شاہ جماعت اسلامی جموں کشمیر کے رکن بھی تھے اور وہ طویل علالت کے بعد قصبے کے علاقے سیلو میں اپنی رہائش گاہ پر انتقال کر گئے۔وہ معروف کشمیری حریت قائد سید علی گیلانی شہید کے قریبی ساتھی تھے۔ضلع کے علاقے سوپور کی نیو کالونی کے رہائشی ماجد احمد صوفی کی ضلع باڈی پورہ کے علاقے کہنوسا میں واقع 10 مرلہ اراضی کالے قانون یو اے پی اے کے تحت ضبط کی گئی۔ماجد احمد صوفی نے بھارتی مظالم سے تنگ آ کر مجبوراً آزاد جموں وکشمیر ہجرت کی تھی اور وہ اس وقت وہاں ہی مقیم ہے۔

15 مئی 2026 ۔۔۔ضلع بارہمولہ اور بڈگام علاقے میں بھارتی انتظامیہ نے کشمیریوں کو گھروں، زمینوں اور دیگر جائیدادوں سے محروم کرنے کی اپنی استعماری پالیسی جاری رکھتے ہوئے مزید تین کشمیریوں غلام محمد بٹ، غلام نبی وانی اور محمد ہاشم رینا کی جائیدادیں ضبط کر لی ہیں۔ضبط کی گئی جائیداد میں 16 مرلہ اراضی اور 2 رہائشی مکان شامل ہیں۔

ذکر الٰہی کی فضیلت

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص اللہ کا ذکر کرے اور جو ذکر نہ کرے ان کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔(یعنی ذکر کرنے والا زندہ اور ذکر نہ کرنے والا مردوں کی طرح ہے)

میاں مقصود احمدؒ
تحریک اسلامی کا ایک قیمتی سرمایہ تھے

جماعت اسلامی پاکستان کے ممتاز رہنما، سابق امیر جماعت اسلامی پنجاب، میاں مقصود احمدؒ 20 مئی 2026 کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کے انتقال کی خبر سن کر گہرے رنج وغم کا احساس ہوا۔ ان کی وفات نہ صرف جماعت اسلامی اور تحریک اسلامی کے لیے ایک بڑا نقصان ہے بلکہ تحریک آزادیٔ کشمیر کے لیے بھی ایک ناقابل تلافی خسارہ ہے۔ میاں مقصود احمدؒ ان مخلص، باکردار اور بے لوث رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی، اقامت دین، اصلاح معاشرہ اور امت مسلمہ کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ میاں مقصود احمدؒ تحریک اسلامی کا ایک قیمتی سرمایہ اور ایک ایسی شخصیت تھے جنہوں نے اپنی علمی، فکری اور تنظیمی صلاحیتوں سے ہزاروں افراد کی رہنمائی کی۔ وہ ایک بہترین منتظم، صاحب بصیرت قائد، معروف مدرس اور شعلہ بیان مقرر تھے۔ ان کی گفتگو میں اخلاص، درد دل اور فکر امت نمایاں ہوتی تھی، جس کے باعث لوگ ان کی بات کو توجہ اور احترام سے سنتے تھے۔ انہوں نے جماعت اسلامی پنجاب کی امارت سمیت مرکزی سطح پر بھی متعدد اہم ذمہ داریاں ادا کیں اور ہر منصب پر دیانت، حکمت اور خلوص کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیے۔ تحریک آزادیٔ کشمیر کے ساتھ ان کی وابستگی محض رسمی یا سیاسی نوعیت کی نہیں تھی بلکہ وہ کشمیری عوام کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے تھے۔ مقبوضہ جموں و کشمیر کے مظلوم عوام، اسیران حریت اور مجاہدین کشمیر کے ساتھ ان کی محبت، ہمدردی اور عملی تعاون ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ وہ ہر موقع پر کشمیریوں کے حقِ خود ارادیت کی حمایت کرتے، ان کی جدوجہد آزادی کے لیے آواز بلند کرتے اور مجاہدین کشمیر کی کامیابی کے لیے دعاگو رہتے تھے۔ کشمیر کاز کے حوالے سے ان کی خدمات اور وابستگی ان کی شخصیت کا ایک روشن پہلو تھا۔ میاں مقصود احمدؒ نے اپنی زندگی میں اخلاص، تقویٰ، استقامت اور خدمت دین کا جو نمونہ پیش کیا وہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ ان کی وفات سے ایک ایسا خلا پیدا ہوا ہے جسے پر کرنا آسان نہیں۔ اگرچہ شخصیات دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں، لیکن ان کے افکار، خدمات اور قربانیاں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔ میاں مقصود احمدؒ کی دینی، تعلیمی، تنظیمی اور ملی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر کرے، ان کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کے اہل خانہ، رفقاء، شاگردوں، جماعت اسلامی کے کارکنان اور تمام متعلقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم نصیب فرمائے۔ آمین۔

پلاؤ کباب Savour Foods®
a tasteful choice

Savour Krispo | Savour Ice Cream | Savour Beverages

DOWNLOAD THE APP NOW

Download on the App Store | ANDROID APP ON Google play

سیور، پاکستان کا Favourite پلاؤ!

#PAKISTANKAFAVOURITEPULAO

RAWALPINDI
- GORDON COLLEGE ROAD
- PINDI CRICKET STADIUM
- GHAZNI MARKET, BAGH SARDARAN
- PESHAWAR ROAD RWP. CANTT

ISLAMABAD
- BLUE AREA
- MELODY FOOD PARK
- MAIN P.W.D ROAD
- PLOT 05 BAHRIA TOWN PHASE VII

LAHORE
- SHAMA CHOWK FEROZEPUR ROAD
- MCLEOD ROAD LAKSHAMI CHOWK
- NEAR SAFARI ZOO, RAIWIND ROAD
- KHUDA BAKHSH COLONY, GHAZI ROAD

WAH CANTT.
- G.T ROAD BAHTER MORR.

SAVOURFOODS.COM.PK   savourfoods   UAN 051 111 728 687